ماھنامہ

حکمت بالغہ

فروری 2010

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-77628261

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ/http://jhanghikmat.co.cc یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرفِ آرزُو

انجینئر مختار فاروقی

'غیرت' کا لفظ 'غیر' سے بنا ہے اور عام بولا جاتا ہے۔ مثبت طور پر کس شخص میں کتنی غیرت ہے؟ اس کا صحیح اندازہ تو اِس شخص کا کردار دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے تاہم کسی شخص کو بھی ایک مسلمان معاشرے میں 'بے ایمان' کی طرح 'بے غیرت' کہہ کر پکارا جائے تو یہ ایک طرح کی 'گالی' بن جاتی ہے یہ بات چونکہ مخاطب کی ذہنی کیفیت اور نفسیاتی لحاظ سے اس کی سوچ کی صحیح صحیح تشخیص ہوتی ہے' دوسرے لفظوں میں مخاطب کا راز فاش ہو رہا ہوتا ہے اور حق ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے؛ لہٰذا انسان میں فوراً ــــــــــــــ ایک ردّعمل پیدا ہوتا ہے۔ ایک غیرت مثبت سوچ کے ساتھ اپنی عزت، آبرو، مال و دولت، اعزہ و اقارب، گھر، وطن، قوم، قبیلہ، ملک، زبان، مذہب اور نظریات سے ہوتی ہے جبکہ منفی سوچ کے ساتھ ایک غیرت (جو کہ درحقیقت بے غیرتی کے بہت قریب ہوتی ہے) انہیں امور کے ساتھ بے اصولی کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔

یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ 'غیرت' ایک جذبہ ہے اور دیگر جذبات کی طرح کسی انسان کو آمادۂ عمل کرنے کا مؤثر ذریعہ (MOTIVATING FORCE) ہے۔ جذبات اندھے ہوتے ہیں؛ لہٰذا دیگر جذبات کی طرح غیرت کے جذبے کو ابھار کر اگر صحیح رُخ پر اور صحیح مقصد کے لئے بروئے کار لایا جائے تو یہ بہت بڑی طاقت بن سکتی ہے۔ مال و دولت، مکان جائیداد میں بھی اپنی چیز اور پرائی چیز کا فرق کرنا اور کسی کو اپنی ملکیت میں دخیل نہ ہونے دینا 'غیرت' کا نتیجہ ہے اور اپنی عزت و آبرو کو بچانا اور اپنی بیوی، بہو، بیٹی کی عزت اور آبرو کو بچانا حتیٰ کہ جان دے دینا بھی مثبت غیرت ہی کا تقاضا ہے اور فرمانِ رسالت ﷺ کے مطابق 'شہادت' کا مقام ہے

مـن قتـل دون مـاله فهو شهيد و من قتل دون دينه فهو شهيد و
مـن قتـل دون دمـه فهـو شهيـد و مـن قتل دون اهله فهو شهيد

(ترمذی۔ عن سعید بن زید ﷺ)

''جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے خون کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے''

اسی طرح ایک 'غیرت' اسلامی غیرت کہلائے گی۔ یہ احساس کہ ہم مسلمان ہیں ..... ہمارے اعتقادات، عبادات اور زندگی گزارنے کے طور طریقے ہیں جو حضرت محمد ﷺ کے فرامین کے مطابق' قرآن وسنت پر مبنی ہیں۔ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ جبکہ دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے اعتقادات اور عبادات و رسومات رکھتے ہیں اور زندگی گزارتے ہیں۔ لہٰذا ــــــــــــ بغیر کسی دوسرے سے لڑائی کیے یہ احساس پیدا کرنا کہ ہم مسلمان ہیں، ہم مسلمانوں جیسے طریقے اپنائیں گے، کوئی دوسرا ہمیں تحکمانہ طور پر یا سازش کر کے اپنے پیغمبر ﷺ کے طریقے سے اور مسلمانی کے اصولوں سے کیسے دور کر سکتا ہے' اسلامی غیرت ہے۔ اس غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے اپنے طور طریقوں اور افکار و نظریات کے مطابق زندگی گزاریں' ہمیں اپنے طور پر اپنے افکار و نظریات، LIFE STYLE کے مطابق زندگی گزارنے کا نہ صرف حق ہے بلکہ ہم اس طرح زندگی گزاریں گے اور اس کو زندہ رکھیں گے کوئی زبردستی کرے تو ہم اس کا راستہ روکیں گے اور اپنی مسلمانی کی حفاظت کے لئے جان و مال سب کچھ لٹا دیں گے تا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم سے راضی ہو جائیں اور اگر صورت حال یہ ہو کہ چاہے کوئی توہین رسالت کرے حضرت محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنائے یا کسی اور پیغمبر کی اہانت کا باعث بنے، قرآن کی توہین کرے، پاؤں تلے روندے، نیا قرآن (NOBLE QURAN) ایجاد کر لیا جائے، ختم نبوت پر حملہ کر دیا جائے، کوئی پیغمبری کا دعویٰ کر دے یا اپنے آپ کو حضرت محمد ﷺ جیسا یا ان سے بہتر انسان کہہ دے، اسلام کی شعائر کا مذاق اڑایا جائے، نماز، زکواۃ، روزہ، حج، قربانی، پگڑی، پردہ (برقعہ سکارف) چادر، داڑھی پر فقرے چست کئے جائیں

اور مذاق کا نشانہ بنایا جائے مسلمان ہوتے ہوئے انسان نہ خود عمل کرتے نہ اسلام کی اہانت پر اس کا خون کھولے۔ان متذکرہ بالا امور پر خود بھی عامل ہو کر ان کو بے وقعت کرنا اور دوسرے مذاق و تمسخر اڑائیں تو برداشت کر لینا ــــــــــــ بے غیرتی کا مظاہرہ اور دلیل ہوگی جیسے کسی کی ماں کو کوئی گالی دے یا بہن، بہو، بیٹی کو چھیڑے تو انسان میں غیرت کا جذبہ جوش مارتا ہے اس سے کہیں زیادہ غیرت کا جذبہ دینی معاملات اور حضرت محمد ﷺ کی توہین پر پیدا ہونا ایمان کی دلیل ہے اور حب رسول ﷺ کا ادنیٰ تقاضا ہے ــــــــــــ دینی غیرت اور اسلامی حمیت ایک مثبت جذبہ ہے اور ہر مسلمان میں ہونا چاہیے اور اس جذبے میں کمی ہے تو اس جذبے کی آبیاری کرنی چاہیے اور اس جذبے کو پروان چڑھانا چاہیے۔

یہی جذبہ تھا ــــــــــــ جسے تحریک پاکستان میں ابھارا گیا تھا ــــــــــــ

یہی دوقومی نظریہ ہے اور یہ جذبہ جتنا پون صدی پہلے ضروری تھا اس سے کہیں زیادہ آج ضروری ہے

پہلے یہ جذبہ صرف برطانوی ہند کی حد تک بیدار ہوا تھا، ہمیں صرف ہندو سے واسطہ پڑا تھا اور ہندو وطنی قومیت کا راگ الاپ کر ہماری شناخت ختم کر رہا تھا جبکہ ہندو اور ہمارے درمیان اعتقادات، ایمانیات اور رہن سہن (LIFE STYLE) اور حلال و حرام کے پیمانوں میں بُعد المشرقین تھا۔ان حالات میں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے دوقومی نظریہ کی اصطلاح سے قوم کو روشناس کریا اور اسلامی غیرت کو للکارا اور ابھارا جس سے تحریک پاکستان اُٹھی اور اس بیداری کے نتیجے میں عوام نے' پاکستان بنا کر دم لیا۔

اب چھ عشروں بعد وہی نقشہ عالمی سطح پر ہے' وہی عالمی استعمار اب نئے روپ میں عالمی سطح پر اسلام کے درپے ہے' صلیبی جنگوں کا سلسلہ ہے' مسلم تہذیب کلچر، حلال و حرام کو مختلف انداز سے نشانہ بنا کر مسلمان نوجوان اور آئندہ نسلوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے' آزادی، مادر پدر آزادی اور بے راہ روی، بے حیائی، عریانی، مے خواری، بدکاری کی آڑ میں انسان اب نوعِ انسانی کا شکاری بن چکا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اب ایک مرتبہ پھر پہلے سے زیادہ جوش و جذبے اور قوت عمل کے ساتھ ہمارے اندر ایک مثبت دینی غیرت پیدا ہو، ہم مسلمان بن کر دنیا کو دکھا دیں اور دو قومی نظریہ کی صدائے بازگشت سے پورے کرۂ ارضی پر اسلام اور اسم محمد ﷺ کا بول بالا کر دیا جائے۔

علامہ اقبال بھی طبقہ وکلاء سے تھے اور قائداعظم محمد علی جناح بھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گزشتہ تین سالوں میں وکلاء برادری نے مستحکم اور منظّم تحریک سے ایک آمر کے خلاف جدو جہد کر کے سیکولرازم، لوٹ کھسوٹ اور خودغرضی کے ماحول میں ایک اعلیٰ مثال قائم کی ہے اور عدلیہ کی بحالی کا معرکہ سر کیا ہے۔ اس کامیابی کا کریڈٹ طبقہ وکلاء ہی کو جاتا ہے۔

انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ ایک چھوٹا سا ادارہ ہے اور پس ماندہ علاقہ جھنگ میں گزشتہ چند سال سے امت کی بیداری اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کا کام کر رہا ہے۔ اس ادارے نے اپنے محدود وسائل کے مطابق اور صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وکلاء برادری میں موجود جذبے کو آگے بڑھانے، دو قومی نظریہ کو پروان چڑھانے اور ''پاکستان کا مطلب کیا؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ'' کی آبیاری کے لئے' کل پاکستان کی سطح پر موجودہ عالمی حالات (SCENARIO) میں پاکستان کو ایک جدید اسلامی جمہوری فلاحی ریاست میں ڈھالنے کے عمل میں فکری سطح پر رہنمائی کے لئے ایک کتاب نویسی (اردو/انگریزی) کا مقابلہ (COMPETITION) کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ پہلا اشتہار گزشتہ شمارے میں شائع ہوا تھا۔

اسلامی ریاست کے موضوع پر اس COMPETITION کے پیچھے سوچ اور جذبہ صرف یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ قانون دان طبقہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وکلاء برادری میں ایک سوچ پیدا ہو اور یہ بات موضوع بحث بنے کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس ملک پاکستان کو بانیانِ پاکستان کی خواہشات اور آرزوؤں کے مطابق ایک صحیح ''اسلامی ریاست'' میں کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ اسلامی ریاست آج کی اصطلاح میں ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست ہو گی۔ اس COMPETITION کے بارے میں ابتدائی معلومات کا دو ورقہ (LEAFLET) قرآن اکیڈمی جھنگ کے پتہ سے 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر یا ذاتی طور پر فری حاصل کیا جا سکتا ہے۔

☆ جو حضرات اس COMPETITION میں حصہ لینے کے لئے کتاب نویسی پر آمادہ ہوں اُن کے لئے شرائط شمولیت و قواعد و ضوابط مختصر معلوماتی لٹریچر تیار کیا گیا ہے۔ وہ 350 روپے

کا منی آرڈر بھیج کر یا قرآن اکیڈمی میں 300 روپے جمع کرا کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔اس میں پورے پروگرام کی تفصیل درج ہوگی۔

☆ کتب رمسودات ماہِ اگست 2010ء میں وصول کیے جائیں گے اور ارادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نتائج کا اعلان اواخر سال تک کر دیا جائے گا۔

☆ کتاب نویسی کے اس مقابلے کی مزید تشہیر کے لئے کئی رسالہ جات میں اشتہار دیے جا رہے ہیں ممکن ہوا تو اخبار میں بھی اشتہار دیا جائے گا اور جن شہروں کے بار روم سے دعوت نامہ وصول ہوا تو ــــــــــــ حاضری دے کر بھی اس پروگرام کی وضاحت کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان کوششوں کو قبول فرمائے اور کامیابی سے سرفراز کر دے اور ہمیں ذاتی زندگی میں بھی ''اسلامی غیرت'' کے تقاضوں کے عین مطابق زندگی گزارنے کا جوش و جذبہ عطا فرمائے۔آمین۔

نظام خلافت کے قیام کے داعیوں کے نام

آج الحمدللہ اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کی اصطلاح عام ہے اور ہر منبر و محراب سے یہ صدا آ رہی ہے نظام خلافت کا نعرہ بھی فضا میں موجود ہے اس لئے کہ قرآن وسنت کی بالادستی اور منہاج النبوہ کے طرز پر حکومت بنانے کو ہی نظام خلافت کہتے ہیں۔ گویا اسلامی ریاست، اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کا مفہوم ایک ہی ہے کہ دور حاضر میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو نافذ کر کے ایک نمونہ دنیا کو دکھا دیا جائے۔

نظام خلافت کے قیام کے لئے بہت سے لوگ مختلف انداز میں مصروف عمل ہیں۔ یہ مرحلہ عمل کا داعی ہے اور ایسی جماعتوں سے وابستہ حضرات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہی آگے بڑھ سکتے ہیں تاہم ــــــــــ اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اتباع رسول ﷺ کا بھی اہتمام ضروری ہے۔ ماضی قریب میں اتباع رسول ﷺ کے نام سے بھی ــــــــــ حضرت محمد ﷺ کے طرز زندگی کو سنت عادت اور سنت نبوت و رسالت کے عنوانوں میں تقسیم کر کے اپنے لئے سنت عادت سے بچنے کی سبیل پیدا کی گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے آپ ﷺ کا ہر ہر عمل فطرت انسانی کے عین مطابق ہے (بشرطیکہ آپ ﷺ سے ثابت ہو) آپ ﷺ کی زندگی میں ''عادت'' کے تحت بھی ایک ایسے اسوہ اور LIFESTYLE کا سراغ ملتا ہے ــــــــــ جو ہمیں حقیقی مسلمان ــــــــــ مرد مجاہد اور سرگرم داعی بنا سکتا ہے لہٰذا ــــــــــ آج کے نظام خلافت کے داعیان کو اپنے آپ کو ایک مجاہد کی زندگی گزارنے کے لئے اتباع رسول ﷺ کا پورا اہتمام کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سنت عادت کا بھی اہتمام ضروری ہے کہ ــــــــــ یہی فطرت انسانی ہے اور فاطر فطرت کا منشا ہے۔ (ادارہ)

حضرت محمد ﷺ کے اسوہ کامل کا عکس جمیل
قیام نظام خلافت کی جدوجہد کے ساتھ
کامل اتباع رسول ﷺ

انجینئر مختار فاروقی

مسلمانوں کے لئے عملی زندگی میں قرآن وسنت کی بڑی اہمیت ہے۔'سنت' کے تو معنی ہی سنت رسول ﷺ ہیں اور اس کا تعلق پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے ہی جڑا ہوا ہے۔قرآن مجید بھی عملاً حضرت محمد ﷺ پر اُترا اور انہیں کی لسانِ حق ترجمان سے ادا ہو کر انسانوں کے گوش گزار ہوا ــــــــــــ لہٰذا قرآن مجید کی اہمیت کی طرح قرآن مجید لانے والے کی بھی اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں اور اظہر من الشمس ہے۔بقول حالی

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ قرآن مجید خالق کائنات کا پیغام ہے انسانوں کے نام۔لہٰذا قرآن وسنت کو ماننے کا حاصل یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں انسان کے اندر ایسا مطمع نظر پیدا ہو کہ.....تمہارا خالق تم سے کیا چاہتا ہے؟ تمہیں کیسا دیکھنا چاہتا ہے؟ اور اس کی عملی تفسیر خود حضرت محمد ﷺ ہیں کہ انہوں نے اس قرآن مجید کو وصول کیا، سمجھا، بیان کیا اور ہر طرح کی مشکلات وموانعات کے باوجود پورے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا اور آپ ﷺ کے مخاطبین اوّل صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کو، قرآن مجید کو اسی طرح دیکھا اور پرکھا، عمل کیا اور محفوظ کیا ــــــــــــ اور بعینہٖ دوسروں تک پہنچا دیا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ایک صحابی سعد ابن ہشام نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا آپؓ نے

فرمایا: اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ ''کیا آپ لوگ قرآن مجید نہیں پڑھتے؟'' اور پھر فرمایا فَاِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰہِ کَانَ الْقُرْآن (ابوداؤد) آپ کے اخلاق (مبارکہ) قرآن ہی (کا عکس جمیل) تھے۔ یعنی آپ مجسم قرآن مجید تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی پیروی میں جو امتی بھی امکانی حد تک آپ کا اتباع کرے گا (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کر دکھایا اور بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ منزل بن کر اُبھرے) وہ بھی بقول علامہ اقبال

ہر لحظہ مؤمن کی نئی شان نئی آن
کردار میں، گفتار میں، اللہ کی برہان
یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

علامہ اقبال نے اپنے فارسی کلام میں ایک جگہ ایک مشہور صوفی کے حوالے سے کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد لوگ خواب میں دیدار مصطفےٰ ﷺ کے لئے ترستے ہیں اور اس کے لئے کئی مصنوعی حیلے بہانے اور اوراد و وظائف کرتے ہیں حقیقت میں اگر لوگ کامل اتباع رسول ﷺ کریں اور اپنے من میں ایمان یعنی اللہ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ساتھ تن کو حضرت محمد ﷺ کی طرح کا بنالیں یعنی وضع قطع بھی حضرت محمد ﷺ جیسی کرلیں اور پھر اپنے آپ پر نظر ڈالیں تو یہ دیدار مصطفےٰ ﷺ ہی ہوگا اور ــــــــــــ یہی ''قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن'' کا منظر بھی۔

یہ بڑی بنیادی حقیقت ہے کہ جب قرآن مجید ہم تک لانے والے بھی حضرت محمد ﷺ ہیں اور قرآن مجید کے شارح اور مفسر بھی وہی ہیں تو آپ ﷺ کو اپنا محسن بلکہ محسنِ انسانیت کہنا عین کلمۂ حق ہے قرآن مجید میں سورہ یٰسین میں آپ ﷺ کا یہ مقام و مرتبہ بڑے حسین اور مدلّل انداز میں آیا ہے۔ فرمایا!

یٰسٓ

یہ حروف مقطعات ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ اس کے قطعی معنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نزول قرآن کے زمانے میں ایسے الفاظ کا رواج تھا جیسے حضرت سلطان باہو

کے کلام میں

ا۔ اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہو

یا د۔ دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہو

اسی لئے کفار مکہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور ہدایت خداوندی کے لئے ان الفاظ کے معنی بتانا ناگزیر نہیں تھا ورنہ ضرورت بتا دیے جاتے۔ نیز یہ آپ ﷺ کے اسمائے مبارک میں سے بھی ایک ہے۔

و القرآنِ الحکیم

''حکمت سے لبریز یہ قرآن مجید گواہ ہے''

اس جملہ میں مقسم علیہ محذوف ہے یعنی یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع میں آیا ہے کہ اس قرآن مجید جیسی عبارت (چاہے ایک ہی سورت ہو) کسی انسان کے لئے قطعی ناممکن ہے۔ لہٰذا ــــــــــ یہ قرآن مجید کا آپ ﷺ پر نازل ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ ﷺ ایسے خاص افراد میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام اترتا رہا ہے۔ اور جنہیں تاریخ میں نبی (PROPHET) یا رسول (MESSANGER) کہا گیا۔ گویا قرآن مجید کا نزول اور آج تک محفوظ چلے آنا اس بات کا واضح ترین ثبوت ہے کہ اس کتاب کے لانے والے حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے۔ چنانچہ فرمایا

انك لمن المرسلين

''بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں''

مزید برآں چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے لہٰذا آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی منفرد اور 'کتاب عزیز' یعنی نادر کتاب ہے ــــــــــ اس استدلال کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب آپ پر قرآن مجید اترا ہے اور قرآن مجید ایک منفرد کلام اور ''کلام آخریں'' ہے اور اس کتاب کے شارح اور مفسر بھی آپ ﷺ ہیں اور اس کی وضاحت کرنے والے معلّم بھی آپ ہی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ــــــــــ ہم مسلمان ان حقائق کا اعتراف بھی کرتے ہیں تو بڑی دل لگتی بات ہے کہ آپ ﷺ ہی ــــــــــ

علی صراطٍ مستقیم

صراط مستقیم' پر ہیں

ہم سب مسلمان نماز میں روزانہ بیسوں مرتبہ جس صراط مستقیم کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی طرف رہنمائی کی استدعا کرتے ہیں اس راستے پر آپ ﷺ چل رہے ہیں اور وہی آپ ﷺ کا راستہ ہے۔ ذرا سا غور فرمایئے اور توجہ کیجیے عقل عام (COMMONSENE) بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ ''صراط مستقیم'' نبی اکرم ﷺ کے ''اسوۂ حسنہ'' اور LIFESTYLE کا نام ہے اس کو'' سنت'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے آپ ﷺ کی پوری زندگی اور مجموعی طور پر کل زندگی ہی ''سنت'' کی شرح ہے تاہم آپ ﷺ کے ''خلق'' اور خصائل جو کہ قرآن مجید کی تفسیر مجسم ہیں کو سنن اور سنتیں بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ یقیناً تحقیق و جستجو اور نقد و جرح کے بعد جو سنت اور حدیث صحت کے ساتھ سامنے آ جائے اس پر عمل درآمد اطاعت رسول اور اتباع رسول ﷺ کا تقاضا ہے اور آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے اعتراف کا لازمی نتیجہ۔

ابھی صراط مستقیم کا لفظ آپ ﷺ کے حوالے سے آیا تھا اور اس کا تذکرہ سورہ فاتحہ میں بھی ہے یہ لفظ بذات خود غور طلب ہے عام طور پر اس کا سلیس ترجمہ ''سیدھا راستہ'' کر دیا جاتا ہے۔ تاہم یہ اصطلاح گہرے غور و خوص کی متقاضی ہے۔ سیدھا راستہ، سیدھا چلنا، سیدھا کر دینا کے الفاظ ہمارے ہاں اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

عربی میں ''مستقیم'' کا لفظ استقامت سے بنا ہے اور باب استفعال میں اسم فاعل ہے۔ یعنی ہمارے ذہن کے مطابق اس کے معنی بنتے ہیں مُستغفِر مغفرت چاہنے والا کی طرح مستقیم ـــــــــــ استقامت چاہنے والا۔ یعنی مستقیم کے معنیٰ میں استقامت کا مفہوم پوشیدہ ہے بالفاظ دیگر سیدھا راستہ یا صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر چلنا استقامت چاہتا ہے۔ مشکلات، موانع، ادھر ادھر کے آسان اور دلکش راستوں سے صرف نظر کر کے صرف حضرت محمد ﷺ کے راستے اور اُسوہ پر چلتے رہنا ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے اور یہ حضرات صدیقین جن میں سے صدیق اکبر تھے حضرت عبداللہ بن ابی قحافہ المعروف، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ان کے علاوہ اور بھی صدیق تھے مردوں میں سے بھی اور خواتین میں سے بھی جیسے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ (الصدیقۃ) الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ وغیر ہما

حضرات شہداء کرام ہیں پورے دین پر چل کر زندگی بھر گواہی دیتے ہوئے ضرورت پکارے تو جان دے کر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے وفاداری نبھا دینا شہادت ہے کئی احادیث میں آپ ﷺ نے شہید کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت علی ص سے مروی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

قال رسول الله ﷺ الغريقُ شهيد و الحريقُ شهيد والغريبُ شهيد والملدوغُ شهيد والمبطونُ شهيد و من يقع عليه البيتُ فهو شهيد ومن يقع عليه البيت فتندقّ رجله اوعنقه فيموت فهو شهيد ومن تقعُ عليه الصخرةُ فهو شهيد والغيرىٰ على زوجها كالمجاهد فى سبيل اللّٰه فلها اجرُ شهيد ومن قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون اخيه فهو شهيد ومن قتل دون جاره فهو شهيد والآمر بالمعروف والناهى عن المنكر شهيد

(ابن عساكر حديث صحيح)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ڈوب کر مر جائے وہ شہید ہے اور جو جل کر مر جائے وہ شہید ہے اور جو مسافر (اجنبی) مر جائے وہ شہید ہے اور جو جانور کے ڈسنے سے مر جائے وہ شہید ہے اور جو پیٹ کی تکلیف میں مر جائے وہ شہید ہے اور جس پر مکان گر جائے وہ شہید ہے اور جس پر مکان گرا کہ اس کی ٹانگ یا گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا تو وہ شہید ہے اور جو پتھر کی چٹان گرنے سے مر جائے وہ شہید ہے اور اپنے شوہر پر غیرت کھانے والی عورت اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے (وہ جان دے دے تو) اس کے لئے شہید کا اجر ہے اور جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے جو اپنے بھائی کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے پڑوسی کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور نیکی کا امر کرنے والا اور برائی سے روکنے والا شہید

ہے‘‘

یعنی قرآن مجید کے بتائے ہوئے ’صراط مستقیم‘ پر چلنے کے لئے حضرت محمد ﷺ کی اتباع میں زندگی گزارنے والا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت شہادت کے مقام پر ہے اسی معنی میں آپ ﷺ شاہد اور شہید ہیں اور اسی کی گواہی آپ ﷺ قیامت کے دن دیں گے وہاں بھی شہید کہلائیں گے اور اسی معنیٰ میں امت مسلمہ بھی شہید بمعنی عمل و کردار سے دین کی گواہی دینے والی ہے کہ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.....(02-143)

’’اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخری الزمان ﷺ) تم پر گواہ بنیں‘‘

یہی مضمون سورہ حج کی آخری آیت میں بھی وارد ہے۔

صدیقین شہداء کے بعد عام صالح مسلمان بھی صراط مستقیم پر چل کر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق بنتے ہیں۔

صالحین یا مسلمان عوام میں سے ذرا نمایاں اور دین پر چلنے والے افراد سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا تصور دین واضح ہے اور دین کے بارے میں فرائض واجبات سنن مؤکدہ اور سنن غیر مؤکدہ کے علاوہ مستحبات کو بھی سمجھتے ہیں تا کہ جس وقت کوئی کام کریں تو معلوم ہو کہ یہ کس درجے کا کام ہے اور کوئی کام رہ جائے تو واضح ہو کہ کس درجے کی کوتاہی ہوئی ہے۔ اگر یہ فرق واضح نہیں ہوگا تو عین ممکن ہے کہ کسی مسلمان سے فرائض و واجبات ترک ہو جائیں تو وہ اتنا پریشان اور غمزدہ نہ ہو جتنا کہ کسی سنت غیر مؤکدہ اور مستحب کے چھوٹ جانے سے پریشان ہو جائے یہ ایک غیر متوازن سوچ کا نتیجہ ہے اور انفرادی سطح پر بڑھتے بڑھتے بڑی مہلک نتائج پیدا کرتا ہے اور یہ مرض جب کسی اجتماعیت میں سرایت کرتا ہے تو وہ معاشرہ اور قوم یا امت عمل سے فارغ ہو جاتی ہے، جہاد و قتال، تبلیغ و شہادتِ حق جیسے فرائض کی ضرورت محسوس نہیں کرتی جب کہ مستحبات پر عمل پیرا رہتی ہے۔

حتیٰ کہ نوافل عبادات کا شوق نمایاں ہو جاتا ہے اور اس میں بھی دوسروں کو دکھا کر کوئی نیکی کرنا یا نیکی کر کے تذکرہ اور چرچا کرنا انسان کا وطیرہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح ممنوعات اور منکرات کے ذیل میں جب تک انسانی حس تیز نہ ہو اور ذہن میں اوامر کی طرح بچنے کی چیزوں کی بھی درجہ بندی واضح نہ ہو تو انسان اس میں بھی ٹھوکر کھاتا ہے بچنے کی چیزیں اور منکرات وہ کام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے۔ اس کی درجہ بندی یہ ہے سب سے ممنوع شے حرام کہلاتی ہے گویا اس کے قریب نہیں جانا ہاتھ نہیں لگانا اور اختیار نہیں کرنا۔ شبہ حرام ــــــــــ جس چیز کے بارے میں حرام کا عنصر غالب ہو۔ پھر مکروہات کا وسیع دائرہ ہے اس میں بعض مکروہات تحریمی ہیں کہ یہ مکروہ کام حرام کے قریب ہے یا حرام تک لے جاتا ہے پھر اس کے بعد مکروہ تنزیہی ہے۔

یہ ساری تفصیل انسانی علم میں واضح اور مستحضر ہو تو انسان اس پر عمل درآمد کر سکتا ہے عوام نہ سہی کم از کم عوام میں سے نمایاں افراد ''صالحین'' کو تو ضرور ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور انہیں میں سے آگے بڑھیں تو پھر شہداء اور صدیقین کے مراتب ہیں۔ شہادت اور صدیقیت کے بھی بس ایک درجے کے فرق سے لوگوں کے گروہ نہیں بلکہ مزاجاً صدیق ہونے اور عملاً شہادت حق کی جدوجہد کے ساتھ انسانوں کے حالات، افتادِ طبع، وسائل، فطری میلانات، خاندانی اور علاقائی ماحول اور مواقع کے لحاظ سے ہر انسان کا اپنا مقام اور ہزاروں درجے ہیں۔ شہداء کے بے شمار درجے ہیں اور صدیقین کے بھی درجے ہیں حتیٰ کہ خود خالق کائنات نے فرمایا:

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض (البقرۃ۔253)

''یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے''

یعنی اہل ایمان میں صالحین، شہداء اور صدیقین کی ایک بڑی تقسیم ہے اور اس کے اندر پھر انسانوں کے ذاتی اعمال کے مطابق بہت سے درجے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حد تک تو قرآن مجید میں بڑی صراحت ہے یہ اعلیٰ مقام ہم نے انسانوں کو دیا ہے اور انسانوں میں سے بھی صرف مرد حضرات کو عطا فرمایا قرآن پاک میں رجلٌ اور رجالٌ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ مقام خواتین کے حصے میں نہیں آیا اس کی بے

شمار حکمتیں خالق ارض وسماء کے علم میں ہیں وہ مرد وعورت کی فطرت سے کما حقہ واقف ہے، اس نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کس انسان میں کیا صلاحیت رکھی ہے اور کس انسان سے کیا کام لینا ہے۔

تاہم جو بات سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام لوگوں کو دین سکھانا اور دوسروں پر دین کی گواہی دینا تھا اور اس کے لئے خارج کی دنیا میں بھاگ دوڑ، جدوجہد، جنگیں، مہمّیں اور خطرات سے نمٹنا تھا لہٰذا ان مشکلات سے اس فاطر فطرت نے عورت کو بچایا اور اس کی خلقی ذمہ داریاں انسانوں کی اگلی نسل (یعنی جو لوگ آج سے تیس سال بعد دنیاوی معاملات کے باگ دوڑ سنبھالیں گے حکمران، وزیر، سپہ سالار، جرنیل، تاجر، علماء، صوفیاء وغیرہ) وہ آج ماں کی گود میں زیر پرورش ہیں ماں کی حیثیت سے عورت کی اصل ذمہ داری ان نونہالوں کی صحیح پرورش و پرداخت ہے کہ وہ کل بڑے ہو کر اچھے مسلمان اور اچھے انسان بن کر زندگی گزار سکیں۔

تاہم نبوت کے بعد کے درجات صدیقیت، شہادت اور صالحیت میں خواتین مردوں کے ساتھ ان درجات میں برابر کی شریک ہیں۔ یہ شانہ بشانہ کام کرنے کی بات نہیں ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں خواتین کو بھی مردوں کے مساوی نمائندگی کا معاملہ اور ہر دفتر اور ہر کمرے میں مردوں اور خواتین کی تعداد برابر کر دی جائے بلکہ مرد اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور خواتین اپنے فرائض ادا کریں اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے اندر رہیں اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کا جانچے گا اور عورتوں کو جانچے گا کہ ہر ایک نے اپنے دائرہ کار میں کتنی صحت کے ساتھ کتنا کام کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر آخرت میں درجات عطا فرمائے گا۔

رسول اللہ کا اُسوۂ حسنہ

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لقد كان لكم فى رسول الله أُسوة حسنة (الاحزاب۔21)

''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہتر نمونہ ہے''

آپ ﷺ پیغمبر تھے اور آپ کا طرز زندگی اور LIFE STYLE اہل ایمان کے لئے ایک

ROLE MODELاور سراپا نمونہ ہے۔

امت کے تمام افراد کے لئے یہ لازمی ہے بلکہ انسان کی دنیوی اور اُخروی فلاح کے لئے ناگزیر ہے اور ہم اس اُسوہ کے محتاج ہیں اگر یہ اُسوہ میسر نہ ہوتا تو انسان کے لئے فلاح ناممکن تھی۔ انسان اپنی فکر اور مشاورت سے اس اُسوہ اور ہدایت تک نہیں پہنچ سکتا۔

مجموعی طور پر آپ ﷺ کی زندگی تمام انسانوں اور ہر دور کے انسانوں کے لئے قیامت تک ایک مکمل اور کامل نمونہ ہے۔ بلکہ آپ کی ختم نبوت اور ختم رسالت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ ہی کا اُسوہ (LIFE STYLE) مثالی اور کامل ہے اور دنیا کے ہر گوشے میں رہنے والے انسان کے لئے IDEAL ہے بلکہ آپ ﷺ کے اُسوے کے سوا (دوسرے انبیاء کرام کے اُسوہ جات ہو سکتے تھے اور اپنے دور میں اپنی اُمتوں کے لئے لازمی بھی تھے مگر وہ اپنی اصلی حالت ہی میں محفوظ نہیں رہ سکے اور آج آپ ﷺ سے قبل کے انبیاء کے متبعین چاہیں بھی تو اپنے پیغمبر کا اُسوہ سامنے نہیں لا سکتے) کوئی اُسوہ دنیا میں میسر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا پوری زندگی کے لئے اور ہر مزاج کے انسان کے لئے واحد کامل، مکمل اور بامعتبر (AUTHENTIC) اور محکم حوالہ جات سے مزین اُسوہ صرف حضرت محمد ﷺ کا اُسوہ ہے جو دنیا کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ــــــــــــ آج نہیں تو کل دنیا محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اُسوہ کو زندگی گزارنے کا واحد طریقہ تسلیم کرے گی۔

☆ مجموعی طور پر آپ ﷺ کا اسوہ تمام اہل ایمان کے لئے نمونہ ہے تاہم ہر شخص بادنیٰ تامّل سمجھ سکتا ہے کہ ''مرد'' کی زندگی عورت کے لئے نسوانی معاملات میں کیسے نمونہ ہو سکتی ہے؟ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ خواتین (جو عمر، مزاج، کنبہ، قبیلہ، ذہنی سطح اور علاقائی تقسیم میں مختلف تھیں) آپ ﷺ کے گھر میں جمع فرما دیں (انسان نسوانی معاملات اپنی بیٹی، بہو، بہن کو اس طرح نہیں سمجھا سکتا جیسے بیوی کو سمجھا سکتا ہے) پھر ان خواتین کو خاص مقام دیا امہات المؤمنین کا درجہ دیا ان کو سابقہ تجربات، یادوں، امنگوں اور روایات سے خوب پاک کیا اور انہوں نے ازواج مطہرات کا لقب پایا تاکہ آپ ﷺ ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نسوانی معاملات کی تعلیم دیں اور یہ بلند مرتبہ خواتین امت کی تمام خواتین کے لئے نسوانی معاملات میں اسوہ کاملہ بن جائیں۔ نیز ان ازواج مطہرات کے لئے آپ ﷺ کے وصال کے

بعد نکاح پر پابندی لگا دی تا کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیم ضائع نہ ہونے پائے۔آج خواتین کے لئے نسوانی معاملات میں یہی ازواج مطہرات ہی اسوہ کاملہ ہیں۔

آپ ﷺ کا اُسوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے احکام کی کامل پیروی یعنی ــــــــــــ ''بندگیٔ رب'' کا مظہر تھیں اور عملی زندگی میں دین کی گواہی دینے اور دوسروں کے لئے نمونہ بننے کا جذبہ ان کی زندگیوں کا عنوان تھا اور یہی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کی ذمہ داری پہلے بھی اور آج بھی ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی زندگی کو الفاظ میں بیان کریں تو ایک متحرک اور فعال شخصیت کا سراپا نقشہ سامنے آتا ہے، ایک مجاہد کی زندگی کا ہولہ ابھرتا ہے اور یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے شہادت حق کی جدوجہد اور جہاد وقتال نکال دیں تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نقشہ بھی ایک مرد مجاہد کا نقشہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار دوسرے ہاتھ میں قرآن ہے۔

اتباع رسول ﷺ میں آج ہمیں بھی اصلاً ایک مجاہد کی زندگی گزارنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔اور ایک متحرک شخصیت کے ساتھ DYNAMIC انداز میں جوش وخروش اور جذبے وشوق کے ساتھ فلاح اُخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر بے لوث انداز میں کام میں لگے رہنا اور دینی تقاضے پورے کرتے رہنا ہی ایک بندہ مومن کے لئے سیرت کا پیغام اور اُسوۂ حسنہ کا عکس ہے۔

مرد مؤمن اور جہاد

جب تک دنیا قائم ہے اور خیر وشر کا معرکہ جاری ہے اس وقت تک جہاد باقی رہے گا اور اہل ایمان کے جذبوں، ولولوں اور شوق جہاد وشوق شہادت کا امتحان ہوتا رہے گا۔میدان بدلتے رہتے ہیں تاہم اہل ایمان کے ولولے بھی وہی اور نجات اُخروی کا شوق بھی وہی باقی ہے اور باقی رہے گا۔

یہ معرکہ خیر وشر اس وقت تک جاری رہنا ہے جب تک دنیا میں ایک دفعہ کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب نہیں ہو جاتا اور اتمام حجت نہیں ہو جاتا کہ دین پر چل کر بھی عالمی سطح پر

حکومت چلائی جاسکتی ہے اور ایک حقیقی فلاحی ریاست صرف آسمانی ہدایت کے تابع ہی قائم ہوسکتی ہے جیسے پہلے خلافت راشدہ قائم ہوتی تھی بعینہٖ کل روئے ارضی پر خلافت کا نظام قائم ہونا ہے حضرت محمد ﷺ نے اس کی بشارتیں دی ہیں۔

اتباع رسول ﷺ کا شوق اور مجاہدانہ زندگی کی امنگ ہوتو آج بھی حضرت محمد ﷺ کا LIFESTYLE ہی واحد کم سے کم قابل عمل طریقہ ہے جس پر ہر مسلمان چل سکتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا اُسوہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اونچے طبقات کے لئے نہیں، صرف ہوائی جہازوں کے سفر، پُر سہولت اور پُر کشش سفر، نفیس اور آرام دہ گھر اور پر تکلف ذاتی سواری والوں کے ہی نہیں بلکہ غریب دیہاتی سب کے لئے ہے۔ ایک بدو کے لئے بھی اور ایک جدید یونیورسٹی کے پروفیسر کے لئے بھی، ایک دیہاتی کے لئے اور چاند اور مریخ پر سفر کرنے والے کے لئے بھی۔ اور دین کے تقاضے وہی ہیں کہ بندہ مؤمن کو اللہ کی بندگی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے رہن سہن میں مجاہدانہ طرز زندگی اختیار کرنا چاہیے۔

جب مجاہدانہ زندگی کی بات ہوگی تو جنگی تربیت، مشقیں، فوجی پریڈ اور ہتھیاروں کا استعمال ایک علیحدہ شئے ہے اور مجاہد کا مزاج اور شئے ہے۔ مجاہدانہ مزاج ہر دم سرگرم، فعال، سادہ مزاج اور مشن سے محبت کرتے ہوئے موت سے نہ ڈرنا جیسے اوصاف سے عبارت ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ــــــــــ آیئے غور کیجیے ــــــــــ ذہن بنایئے اور مجاہد کی زندگی میں جو بھی مشکلات آتی ہیں اور ROUGH اور TOUGH زندگی کے مراحل سامنے آتے ہیں اُن کے لئے تیار رہئے۔ بلکہ ــــــــــ روزانہ تھوڑا وقت نکال کر اس کی مشق کیجیے ــــــــــ اپنے آپ کو عادی بنایئے، تکلّفات ہٹا دیجئے، پروٹوکول ختم کر دیجئے، اپنے کام خود کرنے عادت ڈالیے اور اپنا بوجھ کسی صورت میں بھی دوسروں پر نہ ڈالنے کا عزم کیجیے۔ یہی مجاہدانہ زندگی کے خدوخال ہیں۔

آپ ذرا سوچ کر بتا سکتے ہیں کہ جو سہولتیں آج ایک اوسط درجے کے شہری مسلمان کو میسر ہیں کیا میدان جہاد میں ایک مجاہد کو میسر آتی ہیں۔ آج بھی دنیا میں جنگ جاری ہے اور جہاد ہو رہا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ مجاہدین کو کوئی تکلیف نہ ہو ــــــــــ راشن ختم نہ ہو اسلحہ ختم نہ

ہو، فرسٹ ایڈ کا سامان میسر رہے، ضروریات زندگی بہم پہنچتی رہیں ــــــــــــ تاہم کیا اس کی گارنٹی ہے کہ زندگی میں ایک مجاہد کو ایسے مواقع نہیں آئیں گے جہاں وہ ان سہولتوں سے یکسر محروم ہو اور اُسے کوئی سہولت میسر نہ ہو؟ کیا آپ نے ایسے وقت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رکھا ہے؟

ٹھنڈے دل سے ذرا اپنے آپ سے سوال کر کے جواب حاصل کیجیے۔

☆ کیا مجاہدین کو میدان جہاد میں گرم دبیز بستر میسر ہوتے ہیں۔

☆ کیا دشمن سے جنگ اور رات کے پہروں اور حملوں کے دوران گھر کا آرام اور A/C، کولر اور صاف شاہراہیں اور روشن دو رویہ سڑکیں ملتی ہیں۔

☆ کیا گھر سے باہر دشمن سے مڈبھیڑ میں مجاہدین کو ATTACHED BATH میسر آتے ہیں، TISSUE PAPER ملتے ہیں۔

☆ کیا اکثر اوقات میدان جنگ میں TOILETS اور WASHROOMS کی سہولت میسر ہوتی ہے۔

یہ اور اس طرح کے بیسیوں اور سوالات ہیں جن کا جواب نفی میں ہے۔ اگر آج آپ اور میں سچے مومن بننا چاہتے ہیں اور سچے مومن کے لئے ایک مثالی سراپا ایک مجاہد کا سراپا ہے تو کیا آپ نے کبھی اس کی تیاری کی ہے۔ تحریک شہیدین کے اکابرین کے بارے میں ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کے لئے جامع مسجد دہلی کے فرش پر گرمیوں کی دوپہر میں ننگے پاؤں چلنے کی مشق کرتے تھے کہ کہیں جہاد میں گرم ریت اور تپتی زمین پر چلنے کا موقع آجائے تو ہمت نہ ہار جائیں۔ کیا ایسی تیاری ضروری نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آج اس طرح کا جہاد نہیں۔ ملکوں میں ARMED FORCES ہیں اور باقاعدہ ٹریننگ ہے تاہم ــــــــــــ شہری زندگی میں رہتے ہوئے مجاہدانہ سوچ کے ساتھ زندگی گزارنے کا ایک فوجی مزاج تو پیدا کیا جا سکتا ہے کیا آپ سوچ سکتے ہیں آپ کو کبھی رفع حاجت کے لئے کھلے میدان میں ایک لوٹا پانی کے ساتھ فراغت کی ضرورت ہو تو آپ کیا کریں

گے؟ اس صورتِ حال سے اگر آپ کو پسینہ آجائے تو سمجھئے کہ مجاہدانہ سوچ اور مجاہدانہ ذہنیت کے تقاضے کیا ہیں؟

جہاد پر جانا اور عملاً کسی ایسی جماعت میں شریک ہونا جو دشمن کے خلاف عملی جہاد میں مصروف ہے ایک بہت اگلا مرحلہ ہے۔ اس راستے کا پہلا قدم یہ ہے کہ آپ اپنے معمولات زندگی اور اوقات کی تقسیم، رہن سہن، کھانے پینے کا انداز، بود و باش اور جسمانی رکھ رکھاؤ کی عادات ایسی بنائیں کہ آپ کو میدان جنگ میں جانے میں آسانی ہو۔

ہمارا دین تو دین فطرت ہے بوڑھے، جوان، بچے، عورتیں، مرد، دیہاتی، شہری سب اس میں شریک ہیں۔ اگر آپ کہیں بھی ہیں اور نیت ایک مرد مجاہد کی زندگی گزارنے کی ہے اور اس کی عملی تیاری کرتے رہتے ہیں اپنے آپ کو دنیاوی پر تکلف زندگی سے ذرا دور رکھتے ہیں تو سمجھئے کہ آپ مجاہد ہیں، جب موقع آئے گا اللہ آپ کو اس کی توفیق بھی دے گا آسانیاں بھی پیدا کرے گا اور آپ اپنے آپ کو اس کے لئے ذہناً تیار پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو نیت کا اجر بھی عطا فرمائے گا ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے:

من مات و لم یغز و لم یحدث نفسه مات علی شعبة من نفاق
(مسلم، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''جو اس حال میں مر گیا کہ اس نے کبھی جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں شہادت کی آرزو تھی، وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا''۔

کیا ایک سچے مسلمان اور مرد مومن کی زندگی کے لئے شہادت کی آرزو ضروری نہیں؟ کیا شہادت کے لئے ایک مجاہدانہ زندگی ضروری نہیں؟ کیا مجاہدانہ زندگی کے لئے اُسوۂ رسول ﷺ کامل نہیں ہے؟ کیا حضرت محمد ﷺ نے اس کام کے لئے امت کی کوئی رہنمائی نہیں فرمائی؟ ان جیسے سب سوالات کا جواب تلاش کیجیے! جواب ہاں میں ہی ملے گا۔

تو ــــــــــ آیئے! اگر آپ نے دین کے تقاضے سمجھے ہیں، بندگیٔ رب، شہادت حق یا شہادت علی الناس اور اقامت و غلبہ دین کرنا ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرنا ہے

اور ضرورت پڑے تو جہاد وقتال کے مراحل بھی آنے ہیں اور اس کے لئے ذہناً تیار رہنا ہے ــــــــــ تو کیا اتباع رسول ﷺ کے علاوہ آپ کے پاس کوئی محفوظ راستہ ہے جس میں کوئی نقصان اور خسارہ کا اندیشہ نہ ہو؟ یقیناً کوئی نہیں ہے اور اتباع رسول ﷺ بھی ــــــــــ کامل اتباع ــــــــــ مکمل اور غیر مشروط اطاعت کے ساتھ۔

افسوس اس بات کا ہے کہ اس دور میں بقول شخصے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو سنت ہدایت اور سنت عادت میں تقسیم کر کے اپنے لئے ذہن میں سنت عادت کی پابندی نہ کرنے لئے چور دروازہ بنالیا گیا ہے۔ حالانکہ رسول ﷺ کی سنت (LIFE STYLE) ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور اس میں PICK & CHOOSE کا اختیار کسی مسلمان کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر مسلمان اپنی عمر، استطاعت اور شعبہ زندگی کے لحاظ سے اپنے سے متعلق احکام پر ہی عمل کر سکتا ہے۔ آج زندگی کے شعبہ جات بہت وسیع ہیں اور انسان کے پیشہ سے متعلق بعض اوقات کسی خاص شعبہ کی ضرورت وحالات کا تقاضا ہے ایک شخص واپڈا کا لائن مین رہے اس کو بجلی کے کھمبوں پر چڑھ کر بجلی ٹھیک کرنا ہوگا۔ ایک شخص کسی لیتھ میشن (LATHE MACHINE) یا پرنٹنگ پریس یا کسی مل میں کام کرتا ہے جہاں ڈھیلے لباس (LOOSE CLOTHES) کے ساتھ مشین میں کپڑے الجھنے کا خطرہ ہے یا فوج، پولیس کا محکمہ۔ علی ہذا القیاس۔ ایسی جگہوں پر انسان مجبور ہے کہ مخصوص لباس پہنے۔ یہ مجبوریاں بعض شعبہ ہائے انسانی میں وقتی ہیں اور اگر اسلام کا غلبہ ہوتا ہے اور ایک مسلمان ذہن کے ساتھ ضرورت کی چیزیں اور ان کا استعمال کا فیصلہ ہو تو شاید یہ مشکلات کم ہو جائیں جیسے ہمارے ہاں آج تہبند کے ساتھ دفتر جانا ناممکن ہے تاہم آج ہی کے دور میں سری لنکا، بھوٹان، کھٹمنڈو وغیرہ میں اعلیٰ عہدیدار بھی چادر (دھوتی) باندھتے ہیں اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

تاہم آج کے دور میں کام کے اوقات میں انسان مجبوراً وہ لباس پہنے جو اس کے شعبہ زندگی سے متعلق ہے ــــــــــ صرف اس میں شرعی لحاظ سے کسی ممنوعہ چیز کو ختم کرنا

ضروری ہے۔ان حالات میں بھی دل میں یہ رہے کہ جب تک اسلام غالب نہیں ہوتا یہ مجبوری ہے ان شاء اللہ ہم ان حالات کو بدل دیں گے اور بدلنے کی کوشش میں لگا رہے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے بندے سے درگزر فرمائے گا۔

بندہ مومن جب مجاہدانہ زندگی کا تصور کرتا ہے اور اپنی ذات میں وہ حالات وارد کر کے تصور کرتا ہے اور بدترین حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے تو عقل عام (COMMAN SENSE) بھی یہی کہتی ہے کہ وہ شخص ناکام و نامراد نہیں ہوگا اور کبھی پریشان اور بددل بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ عام اصول زندگی ہے:

"HOPE FOR THE BEST & BE PREPARED FOR THE WORST"

''بہترین حالات کی امید رکھنا اور بدترین حالات کے لیے خود کو تیار رکھنا''

مشکل ترین حالات ذہن میں رکھ کر تیاری کرنے والا اچھے حالات میں تو پر سکون ہی رہے گا ــــــــــــ اور یہی ہے ہمارا اُسوۂ رسول اکرم ﷺ۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کا اُسوۂ حسنہ کیا ہے؟ جسے اختیار کرنے سے ہمیں ایک مجاہدانہ سوچ اور طرز زندگی میسر آ سکتا ہے۔

☆ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات اور ملازمت سے فراغت کے بعد گھر آئیں اور تو تہبند باندھیے اس لئے کہ جہاد و قتال کی زندگی کے مشکل ترین حالات میں بھی کپڑے کا ایک ٹکڑا ملنا از حد آسان ہے جو ستر چھپانے والا لباس بھی ہے اور کھلے میدان میں رفع حاجت وغیرہ کے لئے آبرومند بھی۔

☆ گھر میں رہتے ہوئے بھی طہارت وضو اور غسل کے لئے مناسب مقدار میں کفایت کے ساتھ پانی استعمال کیجیے تا کہ کل فیلڈ اور میدان جنگ میں آپ کو پریشانی نہ ہو۔

☆ کوشش کیجیے کہ باتھ روم کے اندر بھی گھٹنے سے ناف تک کپڑا باندھ لیں ایک تو آپ بہت ساری خرابیوں سے بچ جائیں گے دوسرے آپ اس بات کے عادی ہوں گے کہ کل کھلے

میدان میں کسی چشمے، کنویں، ٹیوب ویل وغیرہ پر نہانا پڑ جائے تو شرمندگی سے بچ جائیں گے۔

☆ گھریلو زندگی میں رہتے ہوئے ان باتوں کے عادی بننے کی کوشش کریں۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ہر شہری کا ایک دیہاتی دوست ہوتا ہے آپ بھی کوشش کیجیے سال دو سال بعد کسی دیہاتی دوست کے پاس جا کر مجاہدانہ زندگی گزارنے کا عملی تجربہ کریں اور شوق اور جذبے سے کریں احساس کمتری کے ساتھ نہیں۔ خود اعتمادی اور مثبت سوچ کے ساتھ اور حوصلے کے ساتھ کریں۔

☆ کوشش کریں کہ گھر میں بھی اکثر فرشی نشست پر کھانا کھائیں اس لئے کہ مجاہدانہ زندگی میں یہی دستر خوان میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔ فیلڈ میں ڈنر سیٹ، ٹی سیٹ نہیں ملتے لہٰذا اتباع رسول ﷺ کے جذبے سے سالن دو تین افراد مل کر کھائیں، پانی کئی افراد ایک ہی گلاس میں پی لیں، چھری کانٹے چمچ کے بغیر خود بھی اور بچوں اور دیگر افراد خانہ کو کھانا کھانے کا عادی بنائیں۔ فیلڈ میں یہ سہولت بھی اکثر دستیاب نہیں ہوتی۔

☆ کھانے میں ''لذت'' اور نت نئے کھانے کا شوق کم کر دیجیے، فیلڈ میں یہ چیز بھی میسر نہیں ہوتی کہیں آپ وہاں پریشان ہو جائیں حتیٰ کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: کھانے میں عیب نہ نکالو جو سامنے آئے پسند ہے تو کھالو ورنہ چھوڑ دو۔ نمک مرچ کمی، زیادتی کی شکایت بھی کم کر دیں۔

☆ روزانہ غسل کر کے دفتر جانا یا کام پر جانا اچھی بات ہے مگر میدان جنگ میں یہ مواقع زیادہ نہیں ہوتے لہٰذا اس عادت کو بدل ڈالیں رسول اللہ ﷺ عام طور پر ہفتے میں دو دن غسل فرماتے تھے۔

☆ خود اپنے ہاتھ سے مسواک تیار کر کے استعمال کی عادت بنائیں کبھی کبھی ایسا کرتے رہیں گے چاقو وغیرہ کے استعمال کے عادی ہوں گے تو کل ضرورت کے وقت فیلڈ میں مشکلات نہیں ہوں گی۔

☆ آج کل گھروں میں گرم پانی عام دستیاب ہے اور ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل سے ہم لوگ ڈرتے ہیں فیلڈ میں یہ سہولت بھی اکثر دستیاب نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو کم۔

لہٰذا ـــــــــــــ آج سے ہی اپنے آپ کو عادی بنائیں اور بالا رادہ کبھی کبھی گرم پانی استعمال نہ کریں۔

☆ قرآن مجید میں، نمازوں کے وقت مساجد میں جاتے ہوئے زینت اختیار کرنے کا حکم آیا ہے۔کوشش کریں کہ اچھے صاف ستھرے کپڑے اور اچھا جوتا پہن کر مسجد جائیں،خوشبو لگائیں، صفیں صحیح کریں۔

☆ آج شہری زندگی میں اکثر لوگ دفتر جاتے ہوتے نہاتے ہیں اور FRESH ہو کر دھلے ہوئے کپڑے پہن کر دفتر جاتے ہیں اگر آپ مجاہدانہ زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں تو یہ مشقت فجر کی نماز کے ساتھ کر لیجیے۔غسل کر کے اور دھلے ہوئے کپڑے پہن کر مسجد میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں۔اس بناؤ سنگھار، زیب و زینت،صفائی اور پاکیزگی کا سب سے زیادہ حق دار خالق کائنات ہے اور دفتر کا باس دوسرے درجے میں اس اہتمام سے مسجد جائیں گے تو آپ کو ایک خاص کیف سرور میسر آئے گا۔فجر کی نماز قرآن مجید کے مطابق آپ کے لئے ان قُــــراٰنَ الُــفـجـر کـان مشھـودًا (''صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور ہے'') کا مصداق بن جائے گا۔

☆ گھر دفتر وغیرہ میں نماز کا اہتمام رکھیں اور نماز سے متعلق ضروریات (چپل،مسواک وغیرہ) فراہم رکھیں، بر وقت اٹھیں وضو کریں اور نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ جو نماز گھر سے مسجد جا کر ادا کرتے ہیں اس میں کوشش فرمائیں کہ آپ فرضوں سے پہلے والی سنتیں گھر سے پڑھ کر جائیں اور بعد والی گھر آ کر پڑھیں۔صحابہ کرام ﷺ اسی طرح کرتے تھے اور نبی پاک ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے (گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔حدیث) اسی طرح آپ وضو کی حفاظت اور بقیہ نماز کی ادائیگی کر لئے فضول وقت ضائع نہیں کریں گے اور گھر والوں کی نماز کی نگہداشت بھی کر سکیں گے۔ نیز چھوٹے بچے آپ کو دیکھ کر نماز کے عادی بنیں گے۔

(ہاں ـــــــــــــ کبھی مسجد میں درس ہے، تعلیم ہے، ملاقات ہے یا مسجد سے ہی کہیں آگے جانا ہے یا آپ مہمان گئے ہوئے ہیں تو فرض نماز سے قبل اور بعد کی سنتیں مسجد میں ادا کر لینی چاہئیں لوگوں کے ذہنوں میں فرض نماز کے بعد جگہ بدلنے کا تصور ہے اور لوگ آپس میں جگہ بدل

لیتے ہیں یہ جگہ بدلنا دراصل مسجد سے گھر جانا تھا مگر ہم صرف خانہ پُری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں)۔

☆ ممکن ہو تو رات کو اٹھ کر تہجد کا اہتمام کیجیے اور اس کی عادت پختہ کیجیے اس سے اللہ تعالیٰ سے ایک ذاتی تعلق پیدا ہوتا ہے جو مجاہد کے لئے بڑی خوش قسمتی ہے۔

☆ اپنے وقت کی منصوبہ بندی کیجیے ہر کام وقت پر کرنے کا عادی بنیئے۔ مجاہدانہ زندگی کی ایک نشانی آخرت کا یقین اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر وقت اور زندگی ضائع ہونے یا ضائع کرنے سے بچانا ہے وقت کا ضیاع (TIME KILLING) ہی زندگی کا ضیاع ہے اور آخرت کا خسارہ

☆ مجاہدانہ زندگی کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ کی شخصیت میں ایک تحریک ہونی چاہیے اپنی زندگی کو بامقصد بنایئے، زندگی کا ایک مشن بنایئے، اور یہ مشن بندہ مؤمن کے لئے نجاتِ اُخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، اس مشن کو سامنے رکھ کر ہر کام وقت ضائع کیے بغیر اُٹھ کر کیجیے۔ تحریک اور DYNAMISM ایک مجاہد کی زندگی کی جان ہے یعنی جذبہ اور شوق۔ کوشش کریں کہ دوسرا آپ کو کام کہے تو اس کو فوراً اُٹھ کر کر دیں کہنے والے کو دوبارہ نہ کہنا پڑے۔ کسی ضروری ذاتی / اجتماعی کام کے لئے از خود خیال آئے یا کوئی دوسرا حکم دے یا کوئی چھوٹا فرمائش کرے بلا تاخیر جلد سے جلد اس کام کو کر ڈالنے کی عادت ہی مجاہدانہ زندگی کا سلیقہ اور کامیاب زندگی کا اصول ہے۔ (ہمارے ہاں معاشرے میں ''ھڈ حرام'' کی اصطلاح اس انسان کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو سست الوجود، کاہل، ناکارہ، آرام پسند ہوتا ہے کوشش کیجیے مجاہدانہ زندگی پر ان اوصاف کا منحوس سایہ بھی نہ پڑنے دیں)۔

☆ گھر میں بھی رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے اس مزاج اقدس کو اپنایئے ہجرت مدینہ کے بعد جنگ خندق تک مدینہ کے حالات بڑے مخدوش تھے اور کفار مکہ کی طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ کہ وہ کسی بھی وقت مدینہ پر حملہ کر سکتے ہیں بالخصوص جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح کے بعد کفار جوش انتقام میں اندھے ہو رہے تھے۔ اس صورت حال میں ذرا سی بھی شور شرابے اور قافلہ کی آواز سے مسلمان چوکنے ہو جاتے تھے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رات ذرا سا شور ہوا تو مسلمانوں کے ذمہ دار حضرات اٹھے اور مل جل کر صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے گھوڑوں پر نکلے تو دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار مدینہ میں آ رہا ہے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ فرمایا!

میں دیکھ آیا ہوں کوئی خطرے کی بات نہیں جاؤ گھروں میں آرام کرو۔

رات کو دشمن کے حملے کے خطرے میں سب سے پہلے اٹھ کر اکیلے چلے جانا اور کسی نوکر، غلام، نائب، ڈپٹی کو تکلیف نہ دینا بلکہ خود صورت حال کا جائزہ لے آنا اور دوسرے مسلمانوں کے آرام میں خلل نہ ڈالنا اور ان کو آرام کی نیند سونے دینا ــــــــــــ یہ ایک مرد مجاہد ہی کی شان ہوسکتی ہے جو محبوب خدا بھی ہو۔ اس کردار کا عکس اپنے اندر پیدا کیجئے۔ رات کو گھر کے صحن میں چھت یا باہر سیڑھیوں میں چکر لگا آیئے، خطرات کا جائزہ لینا سیکھئے کوئی آدمی نظر آئے تو معلومات کیسے کرتے ہیں۔ خطرہ ہو تو للکارتے کیسے ہی؟ دوسروں کو جگاتے کیسے ہیں؟ اور ضرورت ہو تو مدد کے لئے کیسے پکارتے ہیں؟ اس کی بھی مشق کی ضرورت ہے۔ رات کے اندھیرے میں نکل کر خطرات کو معین کرنا اور ان سے نکلنے کی تدابیر سوچنا بھی سنت رسول ﷺ کا حصہ ہے۔

اس کی ابتداء گھر سے ہوگی رات کو ایک مرتبہ ضرور جاگ کر باہر مین گیٹ، چھت، صحن تک ہو آنا یہ ذمہ دار مجاہد ہی کرسکتا ہے۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ایسی باتیں وقت آنے پر سیکھ لیں گے کرلیں گے ــــــــــــ سوچئے ابھی سوات اپریشن ہوا ہے یہ کوئی دشمن سے جنگ کی بات نہیں عوام اپنے املک میں بے گھر ہو گئے تھے ایک صاحب روایت کررہے تھے کہ ہوائی جہاز سے پرچیاں گرائی گئیں دو گھنٹے کی مہلت ہے گھر خالی کردیں آدھ گھنٹہ تو پرچی نیچے زمین تک آنے میں ہی لیتی ہے عملاً لوگوں کے پاس ایک ڈیڑھ گھنٹہ تھا۔ گھر کا سامان سمیٹ کر میدان میں آجائیں اور مہاجرین کے کیمپ کی طرف عورتوں بچوں ضروری سامان سمیت روانہ ہوجائیں۔

ناز ونعم میں پلنے والے اور MODREN COMFORTS کے عادی لوگ صرف دو گھنٹے بعد سڑک پر بے یارو مدگار تھے۔ کھلے آسمان تلے کھانا پکانا ــــــــــــ ٹھنڈے گرم پانی سے بے نیاز کھیتوں اور میدانوں میں فراغت کے لئے جانے پر مجبور ــــــــــــ اس مشکل وقت کے لئے پہلے سے تیاری اتباع رسول ﷺ میں ہی مضمر ہے اور اس کے لئے شوق وجذبے کے کی اشد ضرورت ہے۔

☆ گھر میں اپنے تمام افراد خانہ (جن سے پردہ نہیں ہے) کی ایک ہفتہ وار نشست

(SITTING) کا اہتمام کیجیے ہو سکے تو ریفریشمنٹ کا بھی انتظام کیجیے اور اس نشست میں بچے، بوڑھے، جوان، خواتین و حضرات سب شریک ہوں اور مطالعہ قرآن، مطالعہ حدیث، دعائیں نصیحت آموز باتیں ایک دوسرے کو بتائیں بچوں سے بھی چھ کلمے نماز، نماز کا ترجمہ، دعائے قنوت، نظمیں، قومی ترانہ سنیں غرض ہلکے پھلکے انداز میں چھوٹوں بڑوں سب کو شریک کر کے مل بیٹھیں اور دینی معلومات میں اضافہ کریں اس طرح گھریلو ماحول میں ایک مثبت اور پسندیدہ تبدیلی آجائے گی۔

☆ آئندہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے عمل میں خود حصہ لیں۔ خود ذبح کریں ممکن ہو تو آئندہ مرغی وغیرہ ذبح کرنے کا تجربہ کریں چند سال بعد چھوٹا جانور بکرا وغیرہ خود ذبح کر لیں۔ اس طرح بھی جہاد و قتال کی تربیت ملتی ہے اور ایک انسان خون اور زخموں سے الرجی محسوس نہیں کرتا۔ یہ اور اس طرح کی دیگر بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں جو مسنون و ماثور ہیں ایک مجاہد کی زندگی کے لئے نہایت اہم ہیں۔ مجاہد بننا اور شوق جہاد، شوق شہادت لے کر میدان میں نکل جانا تو بہت بعد کا مرحلہ ہے گھر میں رہتے ہوئے اس شوق کو زندہ رکھنا اور مرنے نہ دنیا بھی بڑی سعادت ہے۔

☆ فوج کبھی کبھی میدان جنگ میں استعمال ہوتی ہے مگر ہر روز ورزش، پریڈ، تیاری سامان کھول کر دوبارہ جوڑنے کا عمل وغیرہ کرتے رہنا ہی ایک کامیاب فوجی کی زندگی ہے پاکستان کی 62 سالہ تاریخ میں دشمن سے جنگ شاید 62 دن بھی نہیں ہوئی مگر ہماری فوج روزانہ یہی کام کرتی ہے حرکت تحریک اور DYNAMISM اپنے آپ کو ہر وقت اور ہر روز FIT رکھتا ہے ایسا نہ ہو کہ کل بلاوا آجائے اور آدمی تیار نہ ہو تو محرومی ہو جائے گی لہٰذا ــــــــــــ آج یہ جذبہ پروان چڑھانا، اس کو برقرار رکھنا اس کو اپنے ساتھیوں میں متعدی (CULTIVATE) کرنا ایک متحرک انسان اور مجاہد ہی کی شان ہے۔

ع نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

آپ غور کریں گے تو آپ محسوس کریں گے حضرت محمد ﷺ کی وہ سنتیں جنہیں کوئی سنت عادت کہہ کر اہمیت نہیں دیتا وہ دراصل مجاہدانہ زندگی اور دین کے لئے مر مٹنے کے جذبے سے گریز

کر رہا ہے اور میدان جہاد سے دور رہنے کی فکر میں ہے ورنہ ــــــــــــــ دنیا کے ہر انسان کے لئے کوئی کم سے کم طرز زندگی ہے تو وہ اُسوۂ رسول ﷺ ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیا میں اچھا مسلمان ــــــــــــــ مرد مومن اور مجاہد بن سکتا ہے اور آخرت میں رضا الٰہی کے حصول کے ساتھ جنت کے اعلیٰ مراتب کا حق دار بھی۔

تو ــــــــــــــ آیئے! آج سے شروع کرتے ہیں کہ اپنے اپنے دفتری معمولات اور کاروباری اوقات کے ساتھ نجی اور پرائیوٹ زندگی میں بھی سنت رسول ﷺ کی اتباع میں پوری زندگی گزاریں گے اور بالخصوص وہ سنتیں جو سنت عادت سمجھ کر لوگ پس پشت ڈال دیتے ہیں ان کو بھی اپنا کر ایک مجاہد کی زندگی کا نقشہ اپنے مزاج اور ماحول میں پیدا کریں گے تا کہ ہم خود بھی اور اپنے کنبہ قبیلہ کو بھی ایک مجاہد بنا کر اُٹھا سکیں اور شوق جہاد کے ساتھ شوق شہادت کی آرزو بھی دل میں پال کر رکھنی چاہیے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ مقام کے لئے ہمیں بھی پسند کر لے۔ آمین

پوری زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ کے ساتھ اتباع رسول ﷺ اختیار کر کے ہم ایک سچے مسلمان بن سکتے ہیں کہ ہمارا اخلاق بھی 'قرآن' ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ بھی ہم سے محبت کرنے لگے گا اور حضرت محمد ﷺ کے نقش قدم پر چل کر ان ﷺ کی طرح اللہ کی محبوبیت کا کوئی عکس ہمارے حصے میں بھی آ جائے گا۔ یہ نہیں کر پاتے تو قرآن و حدیث کی کئی وعیدیں ہمارے سامنے رہنی چاہیے اور جنت کا حصول تو ایک خواب و خیال سے زیادہ درجہ نہیں پا سکتا۔

ع عشق تمام مصطفےٰ، عقل تمام بولہب

آنے والے دور میں عالمی سیاست کا مرکز

اصفہان

انجینئر مختار فاروقی

عالمی حالات ہمہ وقت تغیّر پذیر رہتے ہیں۔انسان اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے زندگی کے لمحات گذارتا ہے اور رخصت ہو جاتا ہے انسانوں سے خاندان قبائل معاشرے شہر اور ملک بنتے ہیں اس کے بعد قوموں اور تہذیبوں کا درجہ آتا ہے انسانی زندگی پچاس ساٹھ سال کی ہے۔ تہذیبوں کی زندگی پانچ چھ صدیاں ہوتی ہے۔ماضی میں ہزاروں تہذیبیں اٹھیں عروج کو پہنچیں غرور تکبر اور ظلم پر اتر آئیں اور پیوند خاک ہوگئیں ایک تبصرے کے مطابق دنیا تہذیبوں کا قبرستان ہے تاہم مشرق وسطی اور اس کے آس پاس کے ممالک کئی لحاظ سے بہت اہمیت کے حامل ہیں اور طویل انسانی تاریخ رکھتے ہیں۔

اسلام سے پہلے بھی ایران کی حیثیت بہت نمایاں تھی اور روم کے مقابلے میں عالمی طاقت تھی۔اسلام کی آمد کے ساتھ ایران کی اہمیت اور بڑھ گئی اور اسلامی تاریخ میں بھی ایران کی حیثیت بڑی نمایاں رہی ہے۔

گذشتہ پانچ چھ صدیوں سے مغرب کی بالادستی کے باعث یورپ اور اب امریکہ عالمی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں اور لندن،امریکہ اور پیرس میں بیٹھے دماغ ساری دنیا کو کنٹرول کر رہے ہیں اور اسلام کے دور کے اہم شہر اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں۔کوفہ و بغداد قصہِ ماضی بن چکے

ہیں۔دورحاضر میں اب قوت کے نئے مراکز وجود میں آرہے ہیں۔

علامہ اقبال گذشتہ صدی کے آغاز میں تعلیم کے لئے یورپ گئے تھے اور 1907ء میں واپسی ہوئی۔انہوں نے برطانیہ اور جرمنی میں وقت گذارا اور یورپی تہذیب کو قریب سے دیکھا اور اپنے ذہن رسا کے ذریعے یورپ کی تیز رفتار ترقی کی حقیقت اور اس کے پس پردہ کارفرما نظریات وافکار کو سمجھ لیا۔تعلیمی ضروریات کی وجہ سے انہیں خاص طور پر ایران کی تاریخ پڑھنے کا موقع ملا اور اس طرح ماضی اور حال کے تقابل سے اسلامی نقطہ نظر سے حالات کا تجزیہ کرنے کا ایسا سلیقہ ہاتھ آیا جس کا لوہا آج بھی دنیا مانتی ہے۔انہوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

تہران ہو اگر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے

برٹرنیڈرسل برطانیہ کا مشہور فلسفی ادیب اور تجزیہ نگار گذرا ہے اس نے (RE-AWAKENING OF EAST) میں لکھا ہے کہ تاریخ میں قوموں کا عروج وزوال مشرق ومغرب میں باری باری یکے بعد دیگرے سامنے آتا رہا ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ مشرق ومغرب کے مابین جھولا جھولتی رہی ہے آج سے ستر برس قبل اُس نے لکھا تھا کہ مغرب کے موجودہ عروج کے بعد زوال تو لازمی ہے اب دوبارہ مشرق کی باری ہے اور اہل علم دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ وسائل اور زندگیوں کی آسائشوں کے ساتھ طاقت کا توازن ابھی یورپ اور امریکہ کے پاس ہے تاہم مستقبل کے مراکز امارات اور خلیج فارس سے لیکر بحیرۂ روم تک منتقل ہو رہے ہیں اور مشرقِ وسطی عالمی سطح پر نگاہوں کے سامنے آگیا ہے۔عراق اور افغانستان میں امریکی مداخلت بھی آنے والے دور میں اس خطہ کی اہمیت کے پیش نظر ہے اور اسی مداخلت اور جارحیت کے تحت مستقبل کے دھندلے نقوش واضح ہونا شروع ہو رہے ہیں۔

اس تناظر میں ''مشرق وسطیٰ'' میں برادر ملک ایران کی اہمیت نمایاں ہے اور گذشہ انقلاب کے بعد اس نے عالمی سیاست میں اپنی حیثیت کو منوایا ہے۔حالیہ امریکی صلیبی یلغار کے بعد ایران نے جس طرح امریکی دباؤ اور اقوام متحدہ کی پابندیوں کی دھمکیوں کا منہ توڑ جواب دیا

ہے وہ اقوام عالم اور بالخصوص دیگر مسلمان ممالک کے لئے حیران کن ہے ۔پاکستان کی طرح ایران کے ایٹمی ہتھیاروں کے بارے میں مغرب کی منافقانہ پالیسی بلاوجہ سفارتی دباؤ اور بلا جواز عالمی پروپیگنڈا ایران کے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہیں کر سکا۔اور تا حال کسی دھمکی سے بھی ایران کو جھکا لینے کا امکان نظر نہیں آ رہا۔(کل کیا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ۔)''

دارالحکومت تہران کے بعد ایران کا ایک اہم شہر اصفہان ہے جو تاریخی ثقافتی اور مذہبی لحاظ سے بڑا اہم شہر ہے۔گذشہ چند سالوں کے دوران کچھ ایک ایسے نکات سامنے آ گئے ہیں جو اوپر درج پس منظر میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں ۔ہم چاہتے ہیں کہ قارئین حکمت بالغہ تک بھی یہ حقائق پہنچا دیئے جائیں تا کہ انہیں بھی آئندہ حالات کو سمجھنے اور تجزیہ کرنے میں آسانی رہے۔

جغرافیائی لحاظ سے اصفہان ــــــــــــ موجودہ ملک ایران کا ایک وسطی صوبہ ہے تقریباً 52 درجے طول بلد اور 32 درجے عرض بلد پر واقع ہے۔

اصفہان شہر کی تاریخ تقریباً 2500 سال پرانی ہے اور ثقافتی لحاظ سے بڑا مرکز ہے مساجد اور مدارس کی خوبصورتی کے علاوہ عمومی فن تعمیر میں دنیا کے چند ممتاز شہروں میں سے ایک ہے۔یہاں کے قالین اور فن تعمیر میں رنگدار روغنی ٹائلیں بہت مشہور ہیں ۔فن تعمیر کے نادر نمونے اس صوبے میں پھیلے ہوئے ہیں نقش جہاں اسکوئر (عام طور پر جسے امام اسکوئر بھی کہتے ہیں) اہم عمارات اور تجارتی مراکز کے درمیان شاہراہوں سے گھرا ہوا ایک وسیع اسکوئر ہے جو غالباً آج بھی دنیا بھر کے مشہور شہروں میں واقع اسکوئروں میں سب سے بڑا ہے۔

مذہبی لحاظ سے بھی یہ شہر بہت اہمیت کا حامل ہے سولہویں صدی میں جب صفوی خاندان کی حکومت بنی اور اس میں استحکام آیا تو اس خاندان کے مشہور بادشاہ اسماعیل صفوی نے اصفہان کو پایہ تخت قرار دیا اور یوں اس شہر کی ترقی ہوئی ۔یہاں سے قریب ہی شیعہ مسلک کی قدیم درسگاہیں اور مراکز ہیں ۔قم 150 کلومیٹر ہے ذرا فاصلے خمین ہے۔

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مولف جناب سید قاسم محمود صاحب اصفہان کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

''وسطی ایران کا ایک شہر، جو اپنی حسین مسجدوں کی وجہ سے مشہور ہے ایک زمانے میں صفویوں کا دارالحکومت تھا۔ اسے بابل کے حکمران نبوکدنضر نے یہودیوں کو بسانے کے لئے آباد کیا تھا۔ مسلمانوں نے اسے حضرت عمرؓ کے دور میں 19ھ/640ء میں فتح کیا تھا۔ طبری کے نزدیک فتح کا سال 21ھ/642ء ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ابوموسیٰ اشعریؓ نے نہاوند کے بعد اصفہان کو فتح کیا۔ المعتز کے عہد میں ایک بغاوت کے بعد 247ھ/861ء میں اسے دوبارہ فتح کیا گیا۔ اس بار شہریوں کی ایک کثیر تعداد قتل ہوئی۔ اس وقت وہاں ایک قلعہ نما عمارت موجود تھی نیز شہر کے گرد فصیل تھی، جس میں چار دروازے اور ایک سو منارے تھے۔ شہر کے قرب و جوار میں چاندی، تانبے، جست اور سرمے کی کانیں تھیں۔

301ھ/913ء میں یہ شہر سامانیوں کے قبضے میں آیا۔ 421ھ/1030ء میں غزنویوں کی قلمرو میں شامل ہوا۔ مغلوں کے حملے کے دوران میں شاہ خوارزم سلطان جلال الدین منگو کے زیر کمان اس شہر کی دیواروں تلے ایک بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بعد میں یہ شہر مغلیہ سلطنت کا حصہ بن گیا۔ تیمور نے یہاں ستر ہزار شہریوں کا قتل عام کیا۔ اس کے بعد کئی حکمرانوں نے یہاں کے باشندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ نادر شاہ کے عہد میں (1141ھ/1829ء) کہیں جا کر یہاں امن ہوا۔ 1914ء سے 1918ء تک یہ شہر عالمی طاقتوں کی آویزش کا مرکز رہا۔ 1917ء میں اس پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

تاریخ میں اس شہر کو پہلی بار کسی حکومت کا مرکزی شہر بننے کا شرف عباس اول (1586ء تا 1628ء) کے عہد میں حاصل ہوا۔ اس نے ایک خوب صورت شہر بنا دیا۔ اس نے دریائے زندہ رود پر تین خوبصورت پل تعمیر کرائے۔ نیز ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کرائی۔ شاہ صفی اول نے اس پر چاندی کے پترے چڑھوائے۔ بعد میں کئی حکمرانوں نے یہاں خوب صورت عمارات تعمیر کرائیں۔ جن میں گھنٹہ گھر، شاہی محلات، کاروان سرائے، منار خواجہ عالم، قلعہ تبرک، مدرسہ نادر شاہ، شیخ لطف اللہ کی

مسجد، عالی قاپو (سات منزلہ عمارت)، میدان شاہ اور چہار باغ قابل ذکر مقامات ہیں۔
بیسویں صدی کا اصفہان ایک صنعتی شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی کے عہد (1925ء تا 1941ء) میں یہاں صنعتی علاقہ تعمیر کیا گیا۔ یہاں کپڑے کے بیشمار کارخانے قائم ہیں۔ نیز دھات کا بہترین کام ہوتا ہے۔ جس میں چاندی، تانبے اور جست کی صنعتیں قابل ذکر ہیں۔ 1998ء میں آبادی آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی۔''

اصفہان ــــــــــــ ایک نادر روزگار شہر اور ثقافتی و مذہبی اہمیت کا حامل صوبہ مستقبل میں عالمی حیثیت اختیار کرنے والا ہے مستقبل سے مراد صرف چند سال بھی ہو سکتے ہیں اور چند عشرے بھی (واللہ اعلم باالصواب) اصفہان کے بارے میں تین مختلف زاویوں یا نقطہ ہائے نگاہ سے اہمیت کے تین پہلو حسب ذیل ہیں۔

بنی اسرائیل یعنی یہود یا صہیونیت کے نقطہ نظر سے

بنی اسرائیل کی تاریخ چار ہزار سال کا پھیلاؤ رکھتی ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے واقعات ملاد یکھنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق ملک میں تھے جہاں آج سے 4100 سال پہلے نمرود بادشاہ حکمران تھے جو بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ اور بت پرستی کا نظام تھا بادشاہ خود بھی خدائی کے دعویدار ہوتے تھے۔

تاریخ انبیاء کے بارے میں قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبری اور کتاب رکھ دی تھی گویا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد صرف ان کی اولاد ہی میں نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری ہوا یعنی بعد کی نسل انسانی صرف انہیں کی اولاد پر مشتمل ہے اور دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو پیغمبری اور وحی کے لئے منتخب فرما کر اٹھایا تا کہ ایک حزب اللہ بن سکے اس لئے کہ انسانیت اب طفولیت سے نکل کر بلوغ (MATURITY) میں قدم رکھ رہی تھی اور انسانی ہدایت کے باب میں معاملہ ختم نبوت کی طرف جانا تھا جس کے نتیجے میں ختم نبوت کے بعد ہدایت و رہنمائی کے معاملات آخری آسمانی وحی کی روشنی میں امت مسلمہ کے ہاتھوں میں آنے تھے اور

دوسری طرف ختم نبوت کے نتیجے میں آسمانی مدد کا پہلو بھی انبیاء کرام کے مقابلے میں قدرے ہلکا ہونا فطری بات تھی۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جہاد کے باب کو کھولا اور معجزات یعنی (DIVINE INTERVENTION) کا پہلو بھی اب ''کرامات'' تک آ گیا۔مسلم امت کے دنیا میں غلبہ کا انحصار انسانی جدوجہد یعنی جہاد و قتال پر ہو گیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا گیا جہاں چاہ زمزم جاری ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا۔پھر بیت اللہ کی تعمیر اور آبادکاری کا مرحلہ آیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو فلسطین (یروشلم) میں آباد کیا تھا اُن کے بیٹے یعقوب علیہ السلام اور پوتے حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا جہاں سے وہ مصر پہنچے اور بالآخر مصر کے حاکم بن گئے۔برادرانِ یوسف کی بے وفائی سے ہی ایک طبقہ پیدا ہوا جو انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے بُعد اختیار کرتا چلا گیا مصر میں ہی 1300 ق م میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی فرعون کی غلامی کے دور میں ہی اہرام مصر کی تعمیر کے دوران بنی اسرائیل میں ایک طبقہ پیدا ہوا جو اللہ اور اس کے رسولوں کا باغی بن گیا اور یہ طبقہ FREEMASONS کے نام سے مشہور ہو گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں بنی اسرائیل کو آزادی ملی تاہم سامری کی شخصیت سامنے آ گئی پھر بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کر دیا صحرائے سینا میں چالیس سال کی سزا پائی پھر جہاد پر راغب ہوئے تو سلطنت ملی جو کئی مرحلوں سے گزر کر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کے دور میں عروج کو پہنچی پھر بنی اسرائیل میں جادو کا زور ہوا ہاروت و ماروت کا واقعہ قرآن مجید میں ہے یہیں سے یہود کے باغی گروہ نے قبالہ نام سے علم ایجاد کیا یعنی علم الاعداد اب تورات کی عبارت نہیں پڑھی جاتی تھی۔بلکہ تورات کے الفاظ کے (خودساختہ) اعداد پر آیات کا ایک ''نمبر'' عدد بنالیا جاتا تھا جس سے اس آیت کی برکت حاصل کی جاتی تھی (جیسے ہمارے ہاں 786 لکھ کر بسم اللہ شریف مراد لی جاتی ہے)۔

چھٹی صدی ق م میں یہود پر زوال آیا اور انہوں نے قتل انبیاء جیسا جرم شروع کر دیا حق

کے انکار کا آخری درجہ کہ حق بات کہنے والے کا نام ونشان ہی مٹادو تا کہ کوئی حق کا علمبردار سامنے نہ ہو اور باغی لوگ من مانی کرتے رہیں اس پر عراق کے بادشاہ نمرود بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور تورات کے بیان کے مطابق بیت المقدس میں 6 لاکھ بنی اسرائیل قتل کر دیئے اور چھ لاکھ کو بھیڑ بکریوں کی طرح قیدی بنا کر عراق لے جایا گیا حضرت سلیمانؑ کی تعمیر کردہ عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا گیا قرآن پاک میں اس واقعہ کو بنی اسرائیل کے فسق وفجور اور اللہ کی نافرمانی کے ساتھ قتل انبیاء علیہم السلام کی سزا کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ چھ لاکھ یہودیوں کو نمرود بادشاہ بخت نصر نے کئی جگہ پر آباد کیا تھا۔ بنی اسرائیل کی یہ قید 150 سال پر محیط تھی جس میں کئی نسلیں بیت گئیں۔

سید قاسم محمود صاحب مولف اسلامی انسائیکلو پیڈیا نے اصفہان کی پہلی آبادکاری کے ضمن میں یہود کی اس قید کے زمانے کا ذکر کیا ہے۔ بعدازاں ایران کے مسلمان بادشاہ کیخورس یا سائرس یا ذوالقرنین نے عراق فتح کیا تو یہود کو آزادی دلائی اور ان کو بیت المقدس میں دوبارہ آباد ہونے میں مدد بھی دی۔ اب یہود میں دینی جذبات تازہ تھے انہیں دوبارہ حکومت بنانے کا موقع ملا مکابی سلطنت کے نام سے سلطنت بنی بیت المقدس کی تعمیر ثانی ہوئی مگر جلد ہی یہ حکومت زوال سے دوچار ہوگئی بنی اسرائیل کے باغی طبقات جواب قتل انبیاء جیسے جرائم کی وجہ سے حزب الشیطین کا درجہ حاصل کر چکے تھے سربرآوردہ لوگ تھے لہٰذا سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے غلامی ومحکومی سے دوچار کر دیا اور پورے فلسطین کے علاقے پر رومیوں کا قبضہ ہوگیا اس دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے یہود کے علماء واحبار نے ان کی بات نہ سنی بلکہ اپنی بگڑی ہوئی افتادطبع کے زیر اثر برنباس کی انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رومیوں کے ذریعے صلیب پر لٹکانے کا اہتمام کر دیا قتل انبیاء کے بعد ''رسول'' کے انکار کے اس ''جرم'' کے نتیجے میں بنی اسرائیل (صہیونی یا فری میسون) پر زوال آ گیا ٹائٹس رومی نے یروشلم میں 70ء میں حملہ کیا اور دوسری مرتبہ بیت المقدس گرادیا گیا۔ یہود کو دیس نکالا دیا اور اس طرح یہود اپنے جرائم اور قتل انبیاء کی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہو گئے ہدایت سے محروم ہو کر یہود فلسطین سے بے گھر ہو کر پوری دنیا میں منتشر ہو گئے۔ یہود کا یہ دور انتشار کا دور (DIASPORRA کہلاتا ہے۔ 70ء میں فلسطین سے نکل کر یہودی پوری دنیا میں پھیل گئے۔ مدینہ میں بھی اس دور میں آ کر یہود آباد ہوئے اصفہان میں بھی

(سابقہ تعلق کی بنیاد پر) یہود کی پہلی آبادی غالباً 204ء کی ہے۔

یہ طویل ''جملہ معترضہ'' اصفہان اور یہود کے باہمی تعلق کے اظہار کے لئے ضروری تھا ضمنی طور پر یہ بات بھی بنی اسرائیل کے بارے میں سامنے رہے تو آگے کا استدلال زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر یہود نے من حیث المجموع ان کا صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو ستایا بھی اور فتویٰ دے کر واجب القتل قرار دیا اور سولی (EXECUTION) کی سزا کے اجراء کے لئے رومی گورنر کے حوالے کر دیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا اور قرآن مجید کے بیان وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ، کے مطابق کوئی اور شخص ان کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

اس واقعہ کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ تورات اور سابقہ انبیاء کی بشارتوں کے مطابق بنی اسرائیل (یہود) کے نزدیک اصلی عیسیٰ علیہ السلام ابھی آنے ہیں اور یہود ان کے منتظر ہیں (جبکہ مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہ ابھی زندہ ہیں اور وہ تشریف لائیں گے)

یہود کے نزدیک ان کی مذہبی پیشگوئیوں کے مطابق ابھی ''عیسیٰ'' نامی پیغمبر آنے والے ہیں ان کے بارے میں ان کا اپنا ایک ذہن ہے وہ کہاں آئیں گے اس کے بارے میں ہم مسلمانوں کو معلومات کی حد تک تحقیق و جستجو تو ہو سکتی ہے اور یہ بات فطری ہے کہ پھر حق و باطل کا کوئی معرکہ گرم ہونے والا ہے۔ تاہم اس بارے میں ایک واضح اشارہ چند ماہ پہلے ہی سامنے آیا ہے جس کا تعلق اصفہان سے ہے اور جس کے راوی بھی ایک معتبر شخص ہیں اور زندہ ہیں۔

جناب اوریا مقبول جان ایک معروف صحافی اور لکھنے والے ہیں ان کا یہ کالم روزنامہ ایکسپریس میں چھپا ہے جسے بعد میں ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور نے اپنے شمارے نمبر 27 جولائی 2009ء میں بطور'' کالم آف دی ویک'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ ہم ندائے خلافت کے حوالے سے اقتباس یہاں درج کر رہے ہیں۔ یہود کے بارے میں اوپر درج تمہیدی باتیں ذرا ذہن میں تازہ کر کے، سابقہ صدی میں اسرائیل کے فلسطین پر غاصبانہ قبضے کے پس منظر میں اس حوالہ پر غور کیجئے موصوف لکھتے ہیں۔

''اسرائیل کے بننے سے پہلے ایران میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ یہودی آباد تھے لیکن وہ اسرائیل کی آبادی کے لئے وہاں چلے گئے مگر انہوں نے ایک شہر کو نہیں چھوڑا اور وہ شہر تھا اصفہان۔ اس وقت وہاں تیس سے پینتیس ہزار یہودی آباد ہیں اور ان کی ایرانی پارلیمنٹ میں ایک نشست ہے اس وقت سیاماک موراس رنگ یہودیوں کی پارلیمنٹ میں نمائندگی کرتا ہے۔ تہران میں گیارہ یہودی عبادت خانے اور تین یہودی سکول ہیں۔ ان کا اپنا اخبار دفاع بنا نکلتا ہے ان کی ایک مرکزی لائبریری ہے اور ایران کا سب سے بڑا خیراتی ہسپتال ڈاکٹر سپئیر یہودی ہسپتال ہے یہ ہسپتال اگرچہ یہودی خیرات سے چلتا ہے لیکن اس کے اکثر مریض مسلمان ہوتے ہیں ان کے نزدیک حضرت دانیالؑ کا مزار بھی یہاں ہے اور اس مزار پر ایک سبز چادر پڑی ہوتی ہے جس پر وہی ستارہ ہے جو اسرائیل کے پرچم پر ہے جسے حضرت داؤد علیہ السلام کا ستارہ کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے ان کے مزارات ہیں جن پر یہ ایرانی یہودی مستقل حاضری دیتے رہتے ہیں۔

مئی 2008ء میں چاہ بہار میں ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد جب میں تہران کے ہوٹل میں آیا تو مجھے وہاں آسٹریا کا ایک یہودی ربی (یعنی ان کا مولوی) ملا جو اپنے مخصوص لباس میں ملبوس تھا۔ میں نے پوچھا تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ کہنے لگا، میں بین المذاہب کانفرنس میں آیا ہوں میں نے پوچھا، یہاں یہ کانفرنس کیوں؟ اس نے کہا کہ ہماری کتب کے مطابق ہمارا مسیح یہاں سے خروج کرے گا اور ہمیں یروشلم واپس دلائے گا۔''

اور یہ بات اب عام ہے کہ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں اہل سنت کے عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا بھی وقت قریب ہے اور مغرب میں بھی اس موضوع پر مسلسل کتابیں چھپ رہی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آیا چاہتے ہیں اور بنی اسرائیل یہود کے اعتقادات کے مطابق ان کے ''مسیح'' کی آمد کا وقت بھی قریب ہے جو اصفہان سے ظاہر ہوگا۔ لہٰذا _____ مستقبل قریب میں اصفہان کی عالمی اہمیت اور سیاست کا محور و

مرکز قرار پانا لازمی ولابدی ہے۔

اصفہان ـــــ قرآن وحدیث کی روشنی میں اہل سنت کے نزدیک

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آج بھی اپنے اصل متن کے ساتھ موجود ہے۔علم وہدایت کا منبع بھی یہی ہے اور قانون کا ماخذ اوّل بھی یہی آخری کتاب ہے اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد علم وقانون کا ماخذ وسرچشمہ احادیثِ رسول ﷺ ہیں جن کے سب سے زیادہ معتبر مجموعے چھ ہیں (صحاح ستّہ) صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح ابن ماجہ، صحیح نسائی اور صحیح ابن داؤد۔ یہ لفظ صحیح جو حدیث کے ساتھ بولا جاتا ہے یہ علم حدیث کی ایک اصطلاح نہ ہے کہ عرف عام کا لفظ صحیح کہ اس کے علاوہ باقی سب حدیثیں غلط ہیں۔

صحیح مسلم میں باب الفتن میں قرب قیامت کے احوال میں کئی احادیث مروی ہیں جن میں ''دجال'' کی آمد اور اس کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے اس پس منظر میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ

عن أنس بن مالك ﷺ أَنَّ رسُولَ اللّٰه ﷺ قال يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُوْد أَصْبَهَانَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ (مسلم)

''حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصفہان (اصبہان) کے یہود سے ستر ہزار دجال کی پیروی کریں گے جنہوں نے جبّے (GOWN) پہنے ہوں گے''

''دجل'' عربی لفظ ہے اس سے فَعَّال اور کذّاب کے وزن پر ''دجال'' کا لفظ آیا ہے دجال کے لفظی معنٰی میں بہت بڑا دھوکے باز یہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں یہ فتنہ دجال کا دور ہے احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک شخص معین بھی آئے گا جو دجال کہلائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کے لئے فتنہ دجال کو تاریخ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے اور اس دور میں اہل ایمان پر بہت زیادہ مشکلات اور ابتلائیں ہوں گی آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور صحیح ترمذی میں روایت ہے کہ

يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدّ

''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام باب لُد پر دجال کو قتل کریں گے''

''لُدّ'' یروشلم کا قدیم شہر ہے جو آجکل اسرائیل میں شامل ہے یہاں اسرائیل کا بہت بڑا ائیر بیس (AIR BASE) ہے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''دجال'' کو قتل کر دیں گے گویا اصفہان سے دجال کے نکلنے کے بعد خیر وشر کی قوتیں صف آرا ہونگی اور دجال کی عملداری اسرائیل تک پھیل جائے گی جہاں خیر وشر کے ایک معرکے میں دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔

اہل سنت کے نزدیک بھی مستقبل قریب میں اصفہان سے لے کر بحیرہ روم تک خیر وشر کا معرکہ بپا ہونے والا ہے جس میں کئی مرحلوں سے گزر کر بالآخر فتح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں لڑنے والے لشکر حق (مسلمانوں) کی ہوگی۔

اثنا عشری شیعہ حضرات کے نزدیک اصفہان کی اہمیت

شیعہ مسلک میں اصفہان کی اہمیت اسماعیل صفوی کا اسے دارالحکومت بنانے سے ہی واضح ہے پھر یہاں نقش جہاں اسکوئر جسے امام اسکوئر بھی کہتے ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شہر اور بالخصوص امام اسکوئر بہت اہم مقام ہے۔

اثنا عشری شیعہ حضرات امامت کے قائل ہونے کی بنا پر 12 اماموں پر یقین رکھتے ہیں۔جس میں حضرت علی رضی اللہ سے لے کر حضرت حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ تک گیارہ نامور شخصیات ان کے نزدیک امامت کے منصب پر فائز تھیں جبکہ بارہویں امام ''مہدی'' پیدا ہوئے تھے اور اس وقت سے اب تک روپوش ہیں۔شیعہ مسلک کے مطابق انہیں دوبارہ آنا ہے اور یہ ''ظہور مہدی'' کا دور شیعہ مسلک کے عروج کا دور ہوگا اور ان پر تاریخ میں جو مشکلات آئی ہیں ان کا ازالہ بھی اسی دور میں ہوگا۔

اصفہان کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ امکان غالب ہے کہ شیعہ مسلک کے مطابق ان کے ظاہر ہونے والے بارہویں امام اسی علاقے میں آئیں گے لہٰذا اس پہلو سے بھی اصفہان کی اہمیت نوشتہ دیوار (WRITING ON THE WALL) ہے کہ شیعہ مسلک کا تابناک مستقبل اسی علاقے سے وابستہ ہے اور یہ علاقہ ان کی امیدوں کا مرکز ہے۔

مستقبل میں عالمی مقتدر اور مذہبی اہمیت کی حامل تین شخصیات اصفہان کے علاقے سے ظہور پذیر ہوں گی۔لہٰذا ــــــــــــ اس علاقے کا آنے والے دور میں عالمی اہمیت

اختیار کر جانا اور عالمی سیاست کا مرکز ومحور قرار پانا ایک یقینی امر ہے۔

یہ تینوں عالمی شخصیات بیک وقت ظاہر ہوتی ہیں یا کسی خاص خدائی تدبیر کے تحت آگے پیچھے یا وقفے سے یکے بعد دیگرے یہ مستقبل کی بات ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اتنی بات یقینی ہے کہ خیر وشر کا ایک بڑا معرکہ مشرق وسطیٰ کے علاقے (اور اس سے ملحقہ ملکوں) میں ہوگا جس سے اولاً بہت بڑی تباہی آئے گی اور بالآخر مسلمانوں کے حق میں خیر برآمد ہوگا۔

ہماری اس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنے والے ان حالات میں مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت فرمائے انہیں فتنہ کے دور میں حق کا ساتھ دینے کی توفیق دے اور اس معرکے کو امت مسلمہ کے لئے فتح وکامرانیاں کی نوید بنادے (آمین)

(یادرہے کہ اہل سنت کے نزدیک بھی قرب قیامت میں ایک مسلمان رہنما سامنے آئے گا جو مسلمانوں کو فتح دلائے گا مگر وہ مکہ مکرمہ کے علاقے میں ہوگا اس کا لقب بھی احادیث میں ''مہدی'' یعنی ہدایت یافتہ آیا ہے اس سے غلط فہمی کا امکان ہے جسے دور کر لینا چاہئے)۔

ہمیں ان سطور کے لکھنے اور اصفہان کو عالمی سیاست کا مرکز قرار پانے سے صرف اتنی دلچسپی ہے کہ یورپی استعمار کا خاتمہ ہوگا اور امریکی بے رحم، ظالم اور انسان نما حیوان (BEASTS) کارپردازوں اور منصوبہ سازوں کا غرور واستکبار خاک میں مل جائے گا اور ایرانی صدر کے ایک اخباری بیان میں دی گئی دھمکی (اور خواہش) پوری ہو جائے گی کہ اسرائیل (صہونیت) کا وجود صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ بقول برٹرینڈ رسل مغرب سے طاقت واقتدار کا ''ہما'' مشرق میں آجائے گا اور اس طرح آنے والے دور میں سیکولرازم کی جگہ خدا پرستی اور برل ازم کی جگہ شرم وحیا اور اخلاق کا دور دورہ ہوگا جس سے صرف اس علاقے کے لوگ ہی نہیں کل روئے ارضی پر موجود ساری انسانیت سکھ کا سانس لے سکے گی۔ اور انسانی اخوت، مساوات اور حقیقی آزادی کا خواب حقیقت بن جائے گا۔

بقول اقبال ؎ پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

نظام خلافت کے قیام کے داعیوں کے نام

آج الحمدللہ اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کی اصطلاح عام ہے اور ہر منبر و محراب سے یہ صدا آ رہی ہے نظام خلافت کا نعرہ بھی فضا میں موجود ہے اس لئے کہ قرآن وسنت کی بالادستی اور منہاج النبوہ کے طرز پر حکومت بنانے کو ہی نظام خلافت کہتے ہیں۔ گویا اسلامی ریاست، اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کا مفہوم ایک ہی ہے کہ دور حاضر میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو نافذ کر کے ایک نمونہ دنیا کو دکھا دیا جائے۔

نظام خلافت کے قیام کے لئے بہت سے لوگ مختلف انداز میں مصروف عمل ہیں۔ یہ مرحلہ عمل کا داعی ہے اور ایسی جماعتوں سے وابستہ حضرات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہی آگے بڑھ سکتے ہیں تاہم ــــــــــــ اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اتباع رسول ﷺ کا بھی اہتمام ضروری ہے۔ ماضی قریب میں اتباع رسول ﷺ کے نام سے بھی ــــــــــــ حضرت محمد ﷺ کے طرز زندگی کو سنت عادت اور سنت نبوت و رسالت کے عنوانوں میں تقسیم کر کے اپنے لئے سنت عادت سے بچنے کی سبیل پیدا کی گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے آپ ﷺ کا ہر ہر عمل فطرت انسانی کے عین مطابق ہے (بشرطیکہ آپ ﷺ سے ثابت ہو) آپ ﷺ کی زندگی میں ''عادت'' کے تحت بھی ایک ایسے اسوہ اور LIFESTYLE کا سراغ ملتا ہے ــــــــــــ جو ہمیں حقیقی مسلمان ــــــــــــ مرد مجاہد اور سرگرم داعی بنا سکتا ہے لہٰذا ــــــــــــ آج کے نظام خلافت کے داعیان کو اپنے آپ کو ایک مجاہد کی زندگی گزارنے کے لئے اتباع رسول ﷺ کا پورا اہتمام کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سنت عادت کا بھی اہتمام ضروری ہے کہ ــــــــــــ یہی فطرت انسانی ہے اور فاطر فطرت کا منشا ہے۔ (ادارہ)

15 20 قد آور شخصیات پر سیمیناروں کا سلسلہ

عالم بے بدل، فاضل معقولات ومنقولات، مجاہد آزادی

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ

(1797ء-1861ء)

انجینئر مختار فاروقی

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے علم وفضل کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ان کے والد گرامی مولانا فضل امام خیر آبادی علمائے عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجے پر سرفراز تھے۔ علامہ صاحب دارالحکومت دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز رہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں سے مالا مال تھے۔ شجرۂ نسب 33 پشتوں پر خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ معقولات کا علم گھر میں والد گرامی سے حاصل کیا اور منقولات کے لئے اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کے قدموں میں پہنچا دیا۔ اس طرح علامہ صاحب معقولات ومنقولات ہر دو علوم میں اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے۔ اس اعلیٰ پایہ کے علم کے ساتھ جدوجہد آزادی کی خاطر فرنگیوں کے استبداد کے سامنے آ کھڑے ہوئے، 1857ء کے ''الثورۃ الہندیہ'' میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ جزائر انڈیمان میں عمر قید کی سزا ہوئی، اس مرد مجاہد نے راہ حق میں دین اسلام کی سربلندی کی خاطر جان دے دی مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دوستوں اور بہی خواہوں نے رہائی کی کوششیں کیں اور پروانۂ رہائی حاصل کیا۔ علامہ کے

صاحبزادے مولانا شمس الحق یہ پروانۂ آزادی لے کر جزائر انڈیمان پہنچے تو جنازہ دیکھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کا کل انتقال ہوگیا۔ یہ 12 صفر 1278ھ، 20 اگست 1861ء کا دن تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جو اعلیٰ مراتب علامہ فضل حق خیرآبادی کی جلاوطنی کی موت کی صورت میں مقدر کردیے تھے وہ دوستوں کی کوششوں کے باوجود انہیں مل کر رہے۔ آزادی کی جدوجہد میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی وجہ سے کالے پانی کی عمر قید کے علاوہ علامہ صاحب کی جائیداد بھی ضبط ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں ان کی اولاد نے کسمپرسی کی زندگی گزاری ہے۔

مغربی ہند میں یورپی استعمار نے چار صدیوں میں تجارت کے نام پر آکر ایسے پنجے گاڑے کہ انیسویں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے مشرق بعید، مشرق وسطی، امریکہ (شمالی و جنوبی) اور جنوبی ہند پر اپنا تسلط مکمل کرلیا۔ یورپی اقوام جو بظاہر فرانسیسی، اطالوی اور جرمن اور انگریز کہلاتے تھے مگر در پردہ ان کا مشن ایک ہی تھا ـــــــــــ یہ مشن کی وحدت ہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس مغربی استعمار کے پیچھے ایک مافیا کا ہاتھ تھا اور اب بھی ہے جو اپنے مذموم اور گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لئے دنیا کے ہر اصول کو بالائے طاق رکھ کر اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ اس کے کئی چہرے ہیں، اصول پرستی کے الگ فورم ہیں اور بے اصولی کے الگ ادارے اور مشن ہیں، مختلف اطراف سے کوشش کر کے نتیجہ اس در پردہ مافیا یعنی صہیونی قوت کے حق میں جاتا ہے۔ یہ یہودی صہیونی قوت ہر ملک، ہر قوم اور ہر شخص نیز ہر مذہب اور اس کے پیروکاروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی ماہر ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔

1799ء میں آخری چٹان سلطان فتح علی ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریز جلد ہی دہلی تک پہنچ گئے اور کوئی قوت مزاحم نہیں ہوئی۔ چند علاقوں میں مقامی ریاستیں اور حکومتیں تھیں انہیں زیر کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دہلی سے مغرب کی طرف سب سے بڑی ریاست سکھوں کی تھی

1842ء میں برطانوی سامراج نے قوت کے ساتھ اسے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیا۔

برطانوی سامراج جہاں بھی گیا اسے عوامی سطح پر مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا سوائے سکھ ریاست کے حکومتی سطح پر رنجیت سنگھ کے خاندان نے تین پشتیں حکومت کی ہے مگر تھی وہ ''سکھا شاہی''۔ اس دورِ نامسعود میں مسلمانانِ پنجاب کے لئے اذان اور نماز پر پابندی تھی، مسجدیں تالے لگا کر بند کر دی گئیں تھیں، قرآن پاک لے کر باہر نہیں نکل سکتے تھے، شاہی مسجد لاہور کا سارا خوبصورت پتھر اتار کر امرتسر پہنچا دیا گیا تھا اور شاہی مسجد کو گھوڑوں کے اصطبل کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔ اس دور کی ایک پرانی تصویر شاہی مسجد میں اب بھی آویزاں ہے۔

(شاہی مسجد لاہور کی یہ حالت زار 1937ء تک رہی جب برطانوی ہند میں مقامی صوبائی حکومتیں بنیں اور سر سکندر حیات پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے پنجاب کے مسلمان زمینداروں پر ٹیکس (فی ایکڑ) لگا کر رقم جمع کر کے اس مسجد کی تزئین و آرائش کا کام شروع کرایا۔ اس نیک کام کے پیش نظر مسلمانوں نے سر سکندر حیات کی وفات پر اسی شاہی مسجد کے دروازے کے پاس دفنانے کی جگہ حاصل کی۔ چنانچہ شاہی مسجد لاہور میں داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف سر سکندر حیات کی قبر ہے تو بائیں طرف مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال ابدی نیند سو رہے ہیں۔)

چنانچہ برطانوی ہند میں پنجاب واحد جگہ تھی جہاں سکھا شاہی کے مظالم کی وجہ سے انگریز کے آنے پر (مسجدیں واگزار ہوئیں، نماز اور اذان کی اجازت ملی) خوشی کا اظہار کیا گیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعد کے دور میں انگریز نے سب سے زیادہ اعتماد پنجاب پر ہی کیا ہے۔

اسی دور میں (1843ء) کلاچی (کراچی) سے حملہ کر کے سندھ میں سر چارلس نیپڑ کی سرکردگی میں حیدرآباد فتح کر لیا گیا جہاں تالپور حکمران تھے ریاست خیرپور اور ریاست بہاولپور بھی مکمل طور پر برطانوی عملدرآمد میں چلی گئیں۔ سر چارلس نیپڑ کی فوج میں گھوڑ سواروں کا ایک بڑا دستہ آغا خانیوں کا شامل تھا اس وفاداری کے بدلے میں انہیں کراچی میں گارڈن کا ایک وسیع علاقہ بخش دیا گیا اور دیگر علاقوں میں بھی بے بہا مراعات سے نوازا گیا۔

موجودہ بلوچستان میں کوئی منظّم حکومت تھی ہی نہیں یہ سارا علاقہ بھی تالپوروں کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی برطانوی عملداری میں آ گیا۔

1853ء میں بمبئی میں پہلی ریلوے لائن بچھائی گئی اس کے ساتھ کلکتہ سے دہلی تک تار برقی (TELEGRAPH) کا انتظام کیا گیا۔ 1860ء میں کراچی حیدرآباد تک ریلوے لائن کا افتتاح ہوگیا۔ بعدازاں لاہور سے امرتسر تک ریلوے ٹریک بچھایا گیا۔

1835ء میں برطانوی ہند میں لارڈ میکالے کی سفارشات پر تعلیمی ادارے بنانے کا پروگرام شروع ہوا اور سیکولر نظام تعلیم کے ساتھ حکومت کے زیر سایہ عیسائیت کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کا بھی۔ ڈاک کا نظام پہلے ہی موجود تھا لہٰذا ــــــــــــ 1850ء کی دہائی کے آغاز پر برطانوی سامراج نے پورے ہند میں اپنے بلاشرکت غیرے اقتدار کے خواب دیکھنا شروع کر دیے۔ حکومت کے عہدیدار تو اپنی جگہ عیسائی پادریوں کی جرأت دیکھئے کہ 1855ء میں کلکتہ سے عیسائی پادریوں نے تمام سرکاری ملازمین کو ایک گشتی چٹھی (CIRCULAR) لکھی تھی کہ:

> ''برٹش راج میں تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے' تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمدورفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہیے؛ اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہوجاؤ۔''
>
> (اسباب بغاوتِ ہند: سرسید احمد خان)

عیسائی مبلغین کے مسلمانوں، ہندوؤں وغیرہ سے شہر شہر مناظرے، معیشت کی تباہی اور حکومتی مظالم سے عوام تنگ تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ انگریز' مسلمانوں کو سیاسی، اقتصادی اور مذہبی طور پر دبانا ضروری سمجھتا تھا؛ اس لئے کہ حکومت ہند برطانوی سامراج نے مسلمانوں ہی سے چھینی تھی اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات بھی مسلمانوں میں زیادہ تھے۔ یہ حالات تھے جس میں مسلمانوں میں برطانوی سامراج کے خلاف بغاوت کر کے آزادی کے حصول کی خاطر جدوجہد کرنے کے امکانات پیدا ہوگئے اور کامیابی کی امید بھی بندھ گئی۔

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں (اور ہندوؤں) کی ناکامی اور سامراجی قوت کے استحکام کے بعد جنوبی ایشیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جس سے سامراجی قوت نے 1860ء میں محکوم اقوام کے لئے 'کالے قوانین' اور رومن لاء کے ظالمانہ عدالتی قوانین نافذ

کر دیے یورپی اقوام اپنے ہاں ان قوانین میں ترامیم کے ذریعے کئی اصلاحات کر چکی تھیں تاہم برطانوی ہند کے 'غلاموں' کو قابو میں رکھنے کے لئے اس ظالمانہ قانون اور عدالتی نظام کی داغ بیل ڈالی گئی۔

برطانوی سامراج کی وسعت کے پیش نظر ان در پردہ قوتوں نے اسے اپنا خاص آلۂ کار اور برطانوی بادشاہت (MONARCHY) کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اسی برطانوی بادشاہت یا تاج برطانیہ کے ذریعے عیسائیت کو کنٹرول کیا۔ تاجِ برطانیہ کتھولک چرچ کا محافظ ہے اور چرچ آف انگلینڈ ہی دنیا بھر کی عیسائی مشنری سرگرمیوں کا ذمہ دار ہے۔ ویٹی کن بظاہر آزاد ریاست ہے مگر اس ریاست کا اور اس کے تحت ساری دنیا میں عیسائیت کے پھیلاؤ کے جال کا بجٹ کون پورا کرتا ہے؟ یورپی ممالک سیکولرازم کی آڑ میں تھرڈ ورلڈ میں بالعموم اور مسلمان ممالک میں بالخصوص عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کام بھی کرتے ہیں اور مختلف ممالک کے چرچ مشن اپنے اپنے ملک کے ناموں سے ایک ہی علاقے میں کام کرتے ہیں آپس کے اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے سامنے متحد رہتے ہیں۔ مثلاً کتھولک چرچ، ٹرینٹی چرچ، پروٹسٹنٹ چرچ' آپس میں نظریاتی بعد رکھنے کے باوجود مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر متفق الخیال ہیں۔

صرف پاکستان میں کوئی درجن بھر سے زیادہ چرچ مشن کام کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو ہمارے ہاں کے مذہبی اختلاف اور فرقہ واریت سے کہیں زیادہ شدت سے غلط سمجھتے ہیں مگر مسلمانوں کو بے دین بنانے کیلئے متحد رہتے ہیں کہ یہی 'مشن' ان کے درمیان مشترک ہے۔

یہی صہیونی قوت تھی کہ برطانوی بالادستی کے باوجود امریکہ میں برطانوی اقتدار کے خلاف جنگ کرادی اور امریکہ کی جنگ آزادی کے نام پر پہلے خانہ جنگی (CIVIIL WAR) اور پھر برطانوی سامراج کا تخت الٹ دیا گیا اور 1776ء میں ہی برطانیہ سے آزادی حاصل کر لی۔ اس آزادی کی یادگار وہ آزادی کا مجسمہ ہے جو نیویارک کے قریب نصب ہے اس آزادی سے اس مافیا کا ایک دوسرا مشن پورا ہوتا تھا چرچ آف انگلینڈ کے ذریعے عیسائیت کا فروغ، پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے بنک آف انگلینڈ (سود کو حلال کر کے وسائل فراہم کیے گئے) اور امریکہ کی آزادی کے ذریعے سیکولرازم ــــــــــ آزادی ــــــــــ مادر

پدر آزادی۔ یہ آزادی کا لفظ پہلی نظر میں قوموں کو گمراہ کرنے کے لئے مغرب اور صہیونیت نے استعمال کیا اور اب بھی آزادی کے نام پر تحریکوں میں مغرب تعاون کرتا ہے مگر ہمارے نزدیک آزادی کے معنیٰ اور ہیں اور صہیونی آزادی معنیٰ اور ہیں۔ صہیونی تصور آزادی کا نام ہے ہر قانون، اخلاق، مذہب سے آزادی۔ انسان کو سماجی بندھنوں، اخلاق کی بندھنوں اور مذہب کے حلال وحرام سے آزاد کر دینا اور گزشتہ دو صدیوں سے امریکہ سے شروع ہو کر یہ 'آزادی' کا زہر ساری دنیا کی اقوام کے ذہنوں میں گھول دیا گیا ہے اور بالخصوص مسلمان نوجوانوں کے ناپختہ ذہنوں میں میڈیا اور تعلیمی نصاب کی تبدیلی کے ذریعے یہی زہر اُنڈیلا جا رہا ہے۔ بقول

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

1802ء میں انگریزوں کے دہلی تک رسائی اور انگریز پرزیڈنٹ کمشنر کے مغل بادشاہ کے ساتھ تعلیمی میدان میں بیٹھنے کے فیصلے کے بعد جنوبی ہند میں برطانوی سامراج نے صہیونی مقاصد کے فروغ کے لئے یہ دونوں طریقے آزمائے اور استعمال کے لئے۔

یعنی ایک طرف عیسائیت کی تبلیغ اور محکوم اقوام کے مذہب کو بدل دینا اور دوسری طرف نظام تعلیم کو بدل دینا تا کہ ایک سیکولر تعلیمی نصاب ہو جو ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، یہودی، بدھ مت سب پڑھیں۔ بظاہر یہ بڑی ''میٹھی گولی'' لگتی ہے اور آج بھی اس کے پرستار کثرت سے مل جائیں گے تاہم یہ ''زہر'' ہے اور شوگر کوٹڈ (SUGAR COATED) ہے۔ اس بات کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے سمجھا اور محسوس کیا مگر اس وقت جب وہ ''کالے پانی'' کی قید کاٹ رہے تھے۔ اس ''عمر قید'' کے ایام میں فرصت کے اوقات میں علامہ فضل حق خیر آبادی نے ایک تحریر لکھی جو ان کے متروکات میں ملی اور ان کی اولاد کے ہاتھوں میں رہی۔ صاف ظاہر ہے کہ 1857ء کے بعد کے قریبی عرصے میں اس ''باغیانہ'' تحریر کی اشاعت کا موقع نہیں تھا۔ یہ تحریر جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الثورہ الہندیہ'' (انقلابِ ہند) کے نام سے شائع کرنے کا مشورہ دیا وہ تحریر پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں علامہ فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں:

''انگریزوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیادوں پر فرقوں کا اختلاف تسلط وقبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کردے گا اس لئے پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مذہب وملت کے مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکروحیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ انہوں نے بچوں اور ناسمجھوں کی تعلیم اور اپنی زبان و مذہب کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانہ کے علوم ومعارف اور مدارس ومکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقات پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار کاشتکاروں سے لے کر نقد دام ادا کیے جائیں اور ان غریبوں کو خرید وفروخت کا کوئی اختیار نہ چھوڑا جائے اس طرح نرخ کے کھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا کی مخلوق' مجبور ومعذور ہوکر ان کے قدموں میں آپڑے اور خوراک وغیرہ نہ ملنے پر ان کے حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے۔''

پہلی سکیم کے لئے لارڈ میکالے کے یہ جملے کافی سند ہیں:

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔

دوسری سکیم پر عمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن اس چار سالہ زمانۂ جنگ میں کنٹرولی عملدرآمد نے باشندگان ہند کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ غلہ کا ملنا دشوار، کنٹرول کی دکانوں سے لینے میں عزت وآبرو اور وقت عزیز کی بربادی، شہر میں ذرا سی گڑبڑ پر گوداموں اور دکانوں کی قفل بندی، ان سب مصیبتوں کا مستقل ہر کہ ومہ کو سامنا رہا ہے۔

11 جولائی 1946ء سے پوسٹ مینوں اور کم تنخواہ والے ملازمین پوسٹ آفس کی جائز احتجاجی ہڑتال پر راشن کی سہولتیں چھین لینے کی، مرکزی حکومت کی طرف سے دھمکی نے علامہ کے بیان کو بالکل سچ کر دکھایا۔ کیا سچا ارشاد ہے سرکارِ دوعالم ﷺ کا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

''مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہو، یہ اللہ کے نور سے دیکھ اور سمجھ لیتا ہے''

اسی تعلیمی سکیم اور انگریزی نظام تعلیم کے پھیلنے پر پورے برطانوی ہند میں ایک خاص تعلیم یافتہ طبقہ پیدا ہوا جو مذہب سے بیزار تھا اور اس کے ذہن میں خدا، وحی، آخرت، رسول اور مذہب کا سرے ہی ''خانہ'' ہی نہیں تھا۔ صرف نام اور شناخت کے اعتبار سے وہ کسی مذہب سے متعلق رہتے تھے برطانوی ہند کے مسلمانوں میں اس سے ''ذہنی ارتداد'' پیدا ہوا۔ ماسوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بچالے اور وہ کوشش کر کے اس دلدل سے نکل آئے اور اسلام کو شعوری طور پر قبول کر لے اسی عمومی ذہنیت اور تعلیمی اثرات پر مولانا اکبرالہ آبادی نے خوب گرفت فرمائی ہے۔

؎ رقیبوں نے رپٹ لکھوائی جا جا کر تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

؎ ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے ہسپتال جا کر

اور انگریزی تعلیمی پالیسی کو انسانیت کُش اور مسلم کُش قرار دیا اور فرنگی استبداد کو فرعون سے تشبیہ دی:

؎ یوں قتل کے بچوں سے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لارڈ میکالے کی رپورٹ (1835ء) کے وقت مسلمانوں میں خواندگی کی شرح 84 فیصد تھی جو اس غلامانہ اور خدا بیزار و خدا ناشناس نظام تعلیم کے غلغلے اور گلی گلی کوچے کوچے سکولوں کی بہتات کے باوجود 43 فیصد ہے۔ عوامی سطح پر خواندگی بھی ہاتھ نہ آئی اور بے دینی اور خدا ناشناسی کی لعنت مزید مسلط ہوگئی جس سے مغرب میں تو ہے ہی عام ہمارے ہاں بھی سیکولرازم، آزادخیالی اور لبرل ازم کی وبا پھیل چکی ہے اور انسانیت اخلاقی لحاظ سے ایسی تہی دست و تہی دامن ہوگئی کہ آگے تباہی اور موت کے سوا کچھ نہیں۔ ایک علاج توبہ ہے جس کی طرف متوجہ ہونا ماحول کے چلن کے خلاف ہے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کے مابین چند مسائل میں علمی مباحثہ اور نزاع پیدا ہو گیا تھا تاہم دونوں امت مسلمہ کے بہی خواہ اور مخلص تھے اہل علم اس اختلاف کے باوجود دونوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کے ایک سوانح نگار مولانا محمد عبدالشاہد خان شیروانی لکھتے ہیں:

''ایک (مولانا شہید) نے جہاد بالسیف کر کے بالاکوٹ کے مقام پر 1246ھ میں شہادت جہری حاصل کی تو دوسرے (علامہ فضل حق) نے "افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" پر عمل پیرا ہو کر فتوے دے کر جہادِ لسانی و قلمی کرتے ہوئے 1278ھ میں جزیرہ انڈیمان میں بہ حیثیت اسیر فرنگ مرتبہ شہادت سری پایا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

دوسری طرف دیکھئے تو ایک مجاہد اعظمِ وقت سید احمد شہید بریلوی کا دامن عقیدت تھامے ہوئے نظر آرہا ہے تو دوسرا سرآمد اولیاء عہد حضرت دھومن شاہ دہلوی کا خرقہ ارادت زیب تن کئے ہوئے جلوہ آرا ہے۔ایک اگر تقوية الايمان اور صراطِ مستقیم لکھ کر اپنے خیال کے مطابق حلقہ بگوشانِ اسلام کی مذہبی خدمت انجام دے رہا ہے تو دوسرا "روض المجود فی تحقیق وحدة الوجود" تصنیف کر کے اہل عرفان کے ایمان و ایقان کو مستحکم بنا رہا ہے اور صدہا قصائدِ نعتیہ زادِ راہِ آخرت اور توشۂ جادۂ عاقبت بن رہے ہیں۔''

علامہ موصوف نے ایک رسالہ وحدۃ الوجود پر لکھا تھا اس رسالہ کے آخر میں جو وصیت فرمائی ہے اس سے ان کے دل میں خشیت باری تعالیٰ اور باطنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے اس کا لفظ لفظ اعتراف قصور اور خشیت رب غفور پر دلالت کرتا ہے۔فرماتے ہیں:

''بہترین وصیت یہی ہو سکتی ہے کہ خدا سے ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ڈرتا رہے اگرچہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔کس قدر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر خواہشات میں برباد اور اپنی زندگی

بداعمالی میں تباہ کرتا رہا۔ اپنی عزت وتوقیر واہیات باتوں کی وجہ سے گراتا اور اپنی پونجی کی بڑی مقدار مٹاتا رہا۔ حیات کے خوشگوار دن اترانے میں اور بہترین ایام لہوولعب میں گزارتا رہا۔ خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے اور اپنی رحمت کاملہ سے ان لغزشوں سے درگزرے۔ ہم سب کو اعمال نیک کی توفیق دے اور اپنے مقبول بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا رفیق بنائے۔''

کیا عظیم لوگ تھے اس بلند مرتبہ پر فائز اور یہ اعتراف تقصیرات۔ اسی نفسیاتی کیفیت کے لئے دعا تلقین فرمائی ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے

اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیرا (آمین)

''اے اللہ مجھے اپنی نظروں میں چھوٹا بنادے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنادے''

یہ سیمینار 5/اگست 2007ء، بروز اتوار کو منعقد ہوا تھا، اس میں جناب ساجد محمود مسلم، مولانا انور چیمہ، پروفیسر مہر غلام سرور، انجینئر مختار فاروقی اور دیگر اہل علم حضرات نے' حضرت علامہ کے حالاتِ زندگی پر اظہار خیال فرمایا۔ پروگرام صبح 9:00 تا 12:00 بجے جاری رہا، شرکاء نے نہایت دلچسپی سے پروگرام سنا، ہال کی نشستیں حاضرین سے بھری ہوئی تھیں۔ (ادارہ)

لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلٰی نُوْرِ الْاِسْلَامِ
وَ مِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ

علمائے حق کے کرنے کا
ایک اہم کام

گزشتہ سال وطن عزیز میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس عزت مآب جسٹس افتخار احمد چوہدری صاحب کی بحالی کے موقع پر پورے ملک کے عوام وخواص نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا تھا اور عدل وانصاف کی فراہمی کو آئندہ ملک میں یقینی ہونے کی توقع ہوگئی تھی۔ اس موقع پر راقم نے کچھ جاننے والے فضلاء اور علماء حضرات کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا جس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ ملک میں جاری نظام رومن فلسفہ قانون پر مبنی ہے اور اس کی تفصیلات میں وہ فکر اور فلسفہ رچا بسا ہوا ہے جو بنیادی طور پر ظالمانہ ہے۔ برطانوی سامراج نے یہ قانون 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مقامی لوگوں کو غلام بنانے اور غلام رکھنے کے لئے وضع کیا تھا (جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے) جبکہ اسلامی قانون کے مطابق فلسفہ جرم اور حدود اللہ کے نفاذ کی حکمتیں مختلف ہیں اور اسلام ایک فلاحی ریاست کے ساتھ کفالت عامہ کا تصور دیتا ہے اور جرائم کی بیخ کنی چاہتا ہے۔

ہمارے ہاں کے مروّجہ قوانین اور وقوعہ سے لے کر مجرم کی گرفتاری اور عدالتی نظام کے تحت سزاؤں کے اجراء تک اور بعد ازاں سزا کے طور پر مجرموں کے جیلوں میں رہنے تک کی تفاصیل اور ضابطے اکثر وبیشتر اسلامی اصولوں کے منافی ہیں ان حالات اس رائج عدالتی نظام سے کسی خیر کی توقع نہیں جب تک کہ اسے اسلامی فلسفہ

سزا و قانون سے ہم آہنگ نہ کر دیا جائے اور پولیس کے تربیتی نظام سے لے کر مجرم کے سزا کاٹ کر گھر آنے کے تمام مراحل کے ضابطوں کو قرآن وسنت کے تابع نہ کر دیا جائے۔ یہ کام از حد ضروری ہے اور پاکستان بننے سے لے کر آج تک ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے۔

یہ عرضداشت ابتدائی تعارفی کلمات کو حذف کر کے ہدیۂ قارئین ہے اس توقع کے ساتھ کہ

؎ اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات (مدیر)

السلام علیکم و رحمة الله

01 اور 02 پر مندرجات ذاتی نوعیت کے تھے، اس لئے حذف کر دیے گئے ہیں۔

03۔ ان سطور کے ذریعے امت مسلمہ اور بالخصوص مسلمانان پاکستان کے بہتر مستقبل کے لئے ''ایک اہم کام'' کی اہمیت آپ کے سامنے پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں اگر آپ بھی اس سے اتفاق فرمائیں تو پھر اگلا مرحلہ اس احساس کو حقیقت میں ڈھالنے کا ہے اس پر غور کرنا ہوگا۔

04۔ آپ کی دُوررس نگاہوں سے یہ بات یقیناً پوشیدہ نہیں ہوگی اور اب یہ نوشتۂ دیوار ہے کہ پاکستان میں وکلاء تحریک کا منطقی نتیجہ عدل وانصاف کی بالا دستی اور ظلم واستحصال کے خاتمے کا ایک عوامی شعور ہے جو دن بدن آگے بڑھ رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ الیکشن دو چار سال میں یا جب بھی ہوں گے عدالتی انصاف کی فراہمی اور عدل اجتماعی کی طرف پیش رفت اس کا بنیادی نعرہ ہوگا۔

05۔ موجودہ عدالتی اور قانونی نظام، ROMAN LAW کے بنیادی تصورات پر مبنی ہے اور ظالمانہ ہے عوام اس نظام اور اس کے تحت عدالتوں سے پہلے ہی سخت بیزار اور مایوس ہیں ایسے نازک موقع پر یقیناً اسلام کے عادلانہ عدالتی اسلامی نظام اور قانون کی ضرورت کا احساس ہونا ایک ناگزیر امر ہے اور اگر اس کے لئے پہلے سے تیار شدہ ایک ''اسلامی قانونی اور عدالتی نظام کا

خاکہ'' موجود ہو تو عوامی دباؤ اور دیگر عوامل کے تحت فوراً منظور کیا جا سکتا ہے اور نافذ العمل ہو سکتا ہے یہ وقت کی عین ضرورت اور عوامی امنگوں اور خوابوں کی حسین تعبیر ہوگی۔

اسی طرح کا کام دور بنو امیہ کے آخری سالوں میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے سیاسی کشاکش سے علیحدہ ہو کر اہل علم کی معیت میں بے غرضانہ انداز میں کیا تھا ان کی دوررس نگاہیں دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ایک مضبوط اور منظّم عدالتی نظام کی ضرورت کو دیکھ رہی تھیں اور اگر چہ حالات فوری طور پر نا مساعد بلکہ مخالف تھے تاہم انہوں نے یہ کام کامل تندہی اور لگن سے سرانجام دیا اور جیسے ہی حکومت بنو امیہ سے بنو عباس کو منتقل ہوئی اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے فرصت ہوئی تو حکومتی استحکام اور عوام کو عدل کی فراہمی کے لئے عملاً ''عدالتی اور قانونی نظام'' کا خلا محسوس ہوا جسے از سر نو مدوّن کرنے کے لئے کاوشوں میں برس ہا برس لگ سکتے تھے جبکہ حکومتی سطح پر عدل و انصاف کی فراہمی کی فوری ضرورت متقاضی تھی کہ اس خلاء کو فوری پُر کیا جائے اس کے لئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تیار کردہ پورا نظام سرکاری مذہب قرار دے کر نافذ کر دیا گیا جو بعد میں ''فقہ حنفی'' کے نام سے معروف ہوا اور اس طرح حکومت کو استحکام بھی میسر آ گیا اور عوام کے لئے دور خلافت کی طرح نہ سہی دنیا کی دوسری حکومتوں کے مقابلے میں کہیں بہتر عدل و انصاف کی فراہمی کی راہ ہموار ہو گئی۔ جس میں مسلم و غیر مسلم عوام نے صدیوں سکھ کا سانس لیا ہے۔

06۔ اسی طرح کا ایک لمحہ تحریک پاکستان کے نتیجے میں قیام پاکستان کے موقع پر پیش آیا تھا۔ 1940ء سے 1947ء تک کا دور برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لئے سیاسی گہما گہمی اور حصول پاکستان کی جدوجہد کا دور تھا جس میں ''اسلامی عدالتی و قانونی نظام'' کی تیاری کا موقع نہیں مل سکا۔ مفکر پاکستان علامہ اقبال اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بہت پہلے محسوس کر چکے تھے اور اس کام کو اپنی نگرانی میں سرانجام دینے کے خواہش مند تھے مگر بوجوہ اس کا آغاز نہ ہو سکا۔ اس کے لئے ان کی جناب سید سلیمان ندوی، مولانا انور شاہ کشمیری اور جامع الازہر مصر کے اکابرین سے خط و کتابت گواہ ہے کہ وہ راسخ العلم علماء کے ساتھ مل کر یہ کام کرنا چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ مولانا انور شاہ کشمیری لاہور منتقل ہو کر ہمہ وقت ان کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں مگر حالات نے اس کی اجازت نہیں دی ۔ علامہ اقبال شمال مغربی ہند میں اسلامی ریاست کا تصور

دسمبر 1930ء کے خطبہ الہ آباد کے دوران دے چکے تھے اور وہ اس کو تقدیر مبرم سمجھتے تھے۔ مگر مولانا انور شاہ کشمیری کے 1933ء میں انتقال کے بعد اس کے امکانات معدوم ہو گئے۔

افسوس کہ اس وقت دیگر علماء کرام مستقبل کی اس اسلامی ریاست پاکستان کا 1947ء سے پہلے تصور ہی نہ کر سکے۔ ایک طبقہ مخالف رہا انہیں اس ریاست کی ''عدالتی و قانونی ضرورت'' کا احساس کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جو علماء قیام پاکستان کی مہم چلا رہے تھے وہ بے حد مصروف تھے لہٰذا اس عظیم کام کے لئے وقت نہ نکال سکے۔

07۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد ملک چلانے کے لئے عدالتی نظام کی ضرورت پڑی تو اس ''خلاء'' کو پُر کرنے کے لئے اسلامیان ہند کے پاس کچھ نہیں تھا سوائے اسلام کے نفاذ کے مطالبے اور ''پاکستان کا مطلب کیا لا الــہ الا اللــہ'' کے نعرے کے، قصہ کوتاہ ''تعزیرات ہند'' جسے برطانوی راج کے استعماری قانون کو ''مشرف بہ اسلام'' کر کے تعزیرات پاکستان کا نام دے دیا گیا ایک دفعہ قانون نافذ ہو گیا تو اس کو تبدیل کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔

08۔ مسلمانوں کے عمومی مطالبے اور اسلامی جذبے سے صرف قرارداد مقاصد منظور ہو سکی جو آج بھی موجود ہے۔ اگر اس وقت اس ضرورت کو پورا کر دیا جاتا تو صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ حکمران جماعت اور لبرل عناصر کے ہتھکنڈے تو تاخیری ہی ہوتے ہیں۔ کمیشن بنا دو، کمیٹی بنا دو وغیرہ وغیرہ۔ لیاقت علی خان وغیرہ کہتے رہے کہ علماء لائیں اسلام کا متفقہ نظام مگر طبقہ علماء اس ضرورت کو اس وقت پورا نہ کر سکا نتیجہ یہ ہے کہ انگریز کا قانون نافذ ہو گیا اور آج تک نافذ ہے۔

09۔ علماء اسلام نے جدوجہد کر کے جو ایک جزوی مرحلہ سر کر لیا۔ اصولی طور پر تو پہلے بھی اسلام کے نفاذ میں اختلاف نہ تھا تاہم مختلف مسالک کے 31 سرکردہ اکابرین کے 22 متفقہ نکات کی شکل میں ایک اتفاق رائے بھی غنیمت ہے جو تاریخ کا حصہ ہے کہ سب پاکستان میں نظام خلافت کے نام سے کفالت عامّہ کے تصوّر کے تحت سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر اخوّت، آزادی، مساوات کا نفاذ چاہتے تھے۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بھی سامنے رہے کہ 1947ء سے پہلے اور اس کے بعد ہمارے علماء کرام نے مدارس میں اسلامی ریاست کی ضرورت کے احساس کے تحت کوئی نصابی

تبدیلی گوارا نہ کی اور نہ ہی ایسے کسی کام کی ضرورت محسوس کر کے رجال دین پیدا کئے جو آئندہ اس ضرورت کو پورا کر سکیں۔

10۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل ایوب خان کے مارشل لاء کے تحت 1960-1961ء میں نئے آئین کی تدوین کے ساتھ نئے عدالتی و قانونی نظام کی ضرورت پیش آئی تو اکثر حصہ ایک ''فرد واحد'' کی سوچ پر مبنی تھا جو ملک کا مقدّر بنا اور علماء کی مخالفت کے باوجود وہ سارا قانون آج بھی نافذ ہے میری مراد جناب غلام احمد پرویز کا تیار کردہ عائلی قانون وغیرہ ہے جو ایوب خان کے دور میں نافذ کیا گیا تھا۔

11۔ محترم مولانا صاحب ــــــــــــ عین اسی طرح کا ایک موقع نصف صدی بعد پاکستان کی تاریخ میں دوبارہ آیا چاہتا ہے۔ اور خدشہ اس بات کا ہے کہ اگر ہم نے اب بھی یہ موقع گنوا دیا اور BUS کو MISS کر دیا تو نہ معلوم آئندہ یہ قران سعدین کب ہوگا؟ اور کون کون دیکھے گا؟۔

12۔ حالات کا تقاضا اور ضرورت یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نقش قدم پر سیاسی اور خارجی حالات سے قطع نظر پاکستان کیلئے اسلامی اصولوں کے مطابق مکمل عدالتی نظام (اطلاع وقوعہ سے لے کر فیصلے اور سزا کے نفاذ تک کے سارے مراحل پر محیط) شق وار مدوّن کر دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے پہلے سے اتفاق رائے پیدا ہو سکے تو ان شاء اللہ اس کے نفاذ میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا۔ اس موقع پر 31 علماء کرام کے 22 متفقہ نکات رہنما اصولوں کا کام دے سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

13۔ میری نگاہ میں مملکت خداداد پاکستان کے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھانے کا اہل طبقہ علماء میں آپ کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا۔ آپ کا ذاتی علم، تجربہ، مطالعہ، تعلقات اور پھر سب سے بڑھ کر آپ کے حلقہ میں وکلاء، ریٹائرڈ جج صاحبان، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس صاحبان سب موجود ہیں۔ اگر آپ اس کام کو سنبھالیں اور رہنمائی فرمائیں تو دو چار سالوں میں (یا اس سے بھی جلد مکمل ہو تو بہتر ہے) یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے اور آئندہ ضرورت پڑنے پر پہلے سے موجود مسلکی اتفاق رائے کی بنیاد پر چند گھنٹوں

میں اسمبلی اور پارلیمنٹ سے منظوری کے مراحل طے کرسکتا ہے۔

14۔ کہا جا سکتا ہے کہ اسی طرح کا کام اسلامی نظریاتی کونسل نے پہلے سے کیا ہوا ہے بجا_____ مگر آپ کے علم میں ہے اس ادارے کا کام عوام اور علماء کی نگاہ میں کبھی عوامی تائید و تحسین کا درجہ حاصل نہیں کرسکا اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ سرکاری سطح کا کام ہے اس میں اہل و نااہل اور سفارشی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو حکمرانوں کی خوشنودی کے لئے اسلام کی تعلیمات کو موم کی ناک سمجھتے ہوئے جدھر چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں۔

15۔ ضرورت اس بات کی ہے اسلام کی ٹھیٹھ تعلیمات کو دور حاضر کی ضرورت کے مطابق پیش کیا جائے اور دور حاضر میں عدالتی معیارات کے مطابق اس کو مدوّن کر کے قابلِ نفاذ بنایا جائے۔

16۔ بات ذرا طویل ہوگئی اس کے لئے معذرت خواہ ہوں تاہم اس عریضہ پر ہمدردانہ غور فرمائیں اور امت مسلمہ کے امیدوں کے مرکز پاکستان کی بہتری کیلئے اور اسلام کے اچھے مستقبل کے لئے اس کام کو اپنے لئے سعادت سمجھ کر کرنے کا فیصلہ فرمالیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا آپ کے شامل حال ہوگی اور بظاہر کوئی وجہ نہیں کہ اس کام کی تکمیل پر اس کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ پیش آسکے۔ ان شاء اللہ

شکریہ بصد احترام والسلام مع الاکرام

(انجینئر مختار فاروقی)

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہے ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی!
امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو، تو کیا حاصل؟
نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں!
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی!
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں!
نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں!
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں!